ISSN 2320-8600

اپریل - مئی - جون 2018

سہ ماہی مجلہ

المجیب

پھلواری شریف پٹنہ

مدیر

ڈاکٹر شاہ فتح اللہ قادری

دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ کی موجودہ چند اہم مطبوعات

₹:20.00

₹:50.00

₹:40.00

₹:100.00

₹:100.00

₹:300.00

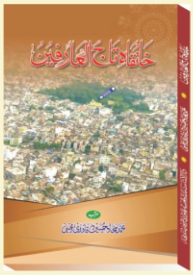

₹:100.00

₹:400.00

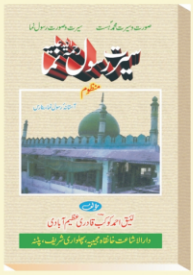

₹:20.00

₹:15.00

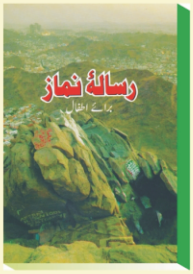

₹:50.00

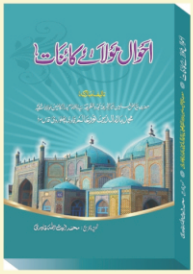

₹:140.00

₹:90.00

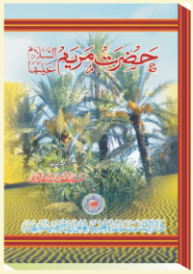

₹:60.00

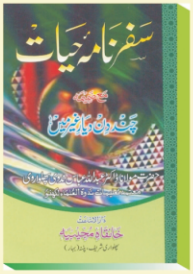

₹:150.00

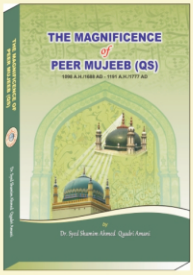

₹:400.00

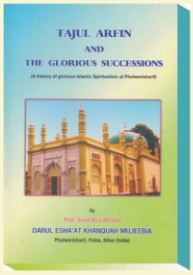

₹:120.00

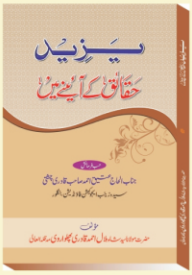

₹:100.00

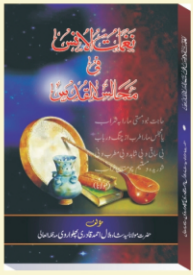

₹:350.00

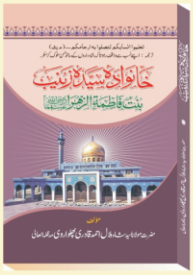

₹:200.00

مذکورہ کتابیں حاصل کرنے کے لئے ان نمبرات: 7250433562, 91-9006306098+ پر رابطہ کریں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ھو الغفور المجیب ولی النعم

اہل حق کا ترجمان اور امن وسلامتی کا پیامبر

سہ ماہی

المُجیب

پھلواری شریف پٹنہ

دینی، علمی وادبی مجلہ

ماہ : شعبان المعظم — شوال المکرم ۱۴۳۹ھ

ماہ : اپریل — جون ۲۰۱۸ء

مدیر : ڈاکٹر شاہ فتح اللہ قادری

نائب مدیر : ظفر حسنین

جلد نمبر ۵۸ ✦ شمارہ نمبر ۲

زرِ تعاون

فی شمارہ	:	-/40 روپے
سالانہ	:	-/150 روپے
سادہ ڈاک	:	-/200 روپے
رجسٹری ڈاک	:	-/370 روپے
پاکستان وبنگلہ دیش	:	-/500 روپے
دیگر ممالک	:	-/25$ امریکی ڈالر

مجلس ادارت

مولانا محمد منہاج الدین مجیبی

پروفیسر حافظ فضل کبریا صدیقی

پروفیسر سید محمد اسد علی خورشید

مولانا خواجہ عبد الباری

سرکولیشن منیجر : محمد مقصود عالم مجیبی

مراسلت وترسیل زر کا پتہ

ایڈیٹر

رابطہ : 9006306098-91+

"المجیب" دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ (بہار)

فون نمبر : E-mail : almujeebquarterly@gmail.com, (0612) 2555572, Telefax : 2555305

فہرست مضامین

- **لمعات** — ظفر حسنین — ۳

مضامین و مقالات

- خاتون جنت حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا — مولانا نور الحق رحمانی — ۶
- ہندو مصنفین کی سیرت نگاری کا جائزہ اور اس کی..... — ڈاکٹر ظفر دارک قاسمی — ۱۸
- حضرت آسی غازی پوری اپنے فکر و فن کے آئینے میں — ڈاکٹر سید شمیم احمد گوہر قادری ابو العلائی — ۳۴
- حضرت گیلانیؒ کی نعتیہ شاعری — مولانا طلحہ نعمت ندوی — ۴۵
- مسعود بک کی شاعری میں صوفیانہ عناصر — ڈاکٹر حنا اسحاق — ۵۴
- طبیب حاذق مولانا حکیم سید شاہ محمد شعیب رضویؒ نیرؔ — سید محمد نیر رضوی — ۶۲

نقد و تبصرہ

- چہر آئینے — ظفر حسنین — ۷۰
- نقوش افکار — ظفر حسنین — ۷۲

ادبیات

- مدینے کی شام و سحر — وارث ریاضی — ۷۵
- نذرانۂ نعت پاک بحضور سرور کائنات ﷺ — عارف گیاوی — ۷۶
- غزل — جمال احمد جمال — ۷۷
- **کوائف و حالات** — ادارہ — ۷۸

لمعات

• ظفر حسنین

اس عظیم جمہوری ملک کے آئین کے معماروں نے چار ستونوں پر یہاں کی جمہوریت کی بنیاد رکھی۔ قانون سازی، قانون کے نفاذ، اس پر گرفت کے لئے میڈیا، پھر اسے انصاف کے دائرے میں لانے کے لئے عدلیہ — یہ چاروں ستون موجودہ حکومت کے آنے کے وقت تک مستحکم طریقے سے اپنا کام انجام دے رہے تھے۔ قانون ساز اداروں سے قوانین بن رہے تھے، ان کا نفاذ بھی حکومت وقت کے ہاتھوں بہتر طریقے سے ہو رہا تھا۔ میڈیا کی اس پر گہری نظر تھی جو آزادانہ طور پر اس کی نگرانی کر کے حکومت کی صحیح رہنمائی کر رہی تھی اور عدلیہ، انصاف کا ترازو لئے ہر شہری کے حقوق کی حفاظت پر آمادہ تھی — گویا جمہوریت کے چاروں ستون کچھ خامیوں کے باوجود اپنی جگہ بیحد مضبوط تھے — پھر دور بدل گیا۔ ایسی حکومت، جو جمہوریت کی سخت مخالف ہے، برسر اقتدار آ گئی — آئی تو جمہوری راستے سے لیکن دلوں میں جمہوریت اور سیکولرزم کی نفرت لئے ہوئے — پورے طور پر آمرانہ مزاج کی حامل۔ اس لئے برسر اقتدار آتے ہی اس ٹولے نے پہلی ضرب جمہوریت کے ستونوں پر لگائی۔ چاروں ستون بدل دیے گئے۔ قانون ساز اداروں پر ان کا قبضہ ہو ہی چکا تھا، من مانے قوانین بنائے جانے لگے یا پھر ان اداروں کے اجلاس شور وغل اور ہنگامے کی نذر ہونے لگے جس سے یہ ادارے ایک طرح سے مفلوج ہو گئے۔ قانون کے نفاذ کے لئے بھیم راؤ امبیڈکر کے بنائے ہوئے آئین نہیں بلکہ گروگوال کر کی کتاب جو جمہوری اقدار کی سخت دشمن ہے ان کی رہنمائی کے لئے موجود تھی۔ فوج اور پولس پورے طور سے ان کے قبضے میں آ ہی چکی تھی۔ تیسرے ستون میڈیا کو ان لوگوں نے خرید لیا منہ مانگا دام دے کر۔ اور آخری ستون عدلیہ پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ عدالت عظمیٰ تتر بتر ہو گئی۔ چیف جسٹس پر خود عدالت عظمیٰ کے سینئر ججوں نے بدترین الزامات لگائے اور ہندوستان کی تاریخ میں پہلی بار ان پر عدم اعتماد کی تجویز تک لائی گئی۔

گویا ستر سالوں سے جن ستونوں پر یہاں کی جمہوریت قائم تھی اسے بنیاد سے کھود کر ہٹا دیا گیا اور نئے ستون بنائے گئے۔ یہ نئے ستون ہیں بدنیتی، منافرت، لوٹ اور جھوٹ۔ بدنیتی کا یہ عالم ہے کہ امبیڈکر کے مجسمہ پر پھول مالائیں تو چڑھائی

جارہی ہیں، ساتھ ہی ان کے بنائے ہوئے آئین کی دھجیاں اُڑائی جارہی ہیں، ان کے ماننے والے ہر یکجنوں کو ذلیل ورسوا اور قتل کیا جارہا ہے۔ ملک کی دوسری سب سے بڑی اکثریت مسلمانوں کا حال دلتوں سے بھی بدتر بنادیا گیا ہے۔ نہ ان کی جان محفوظ، نہ تہذیب وتمدن، نہ درسگاہیں، نہ ان کے عظیم بزرگوں کی نشانیاں۔ علمی درسگاہیں ان سے خالی ہورہی ہیں اور جیل بھر رہی ہے۔ ایسی منظم منافرت پھیلائی جارہی ہے کہ ہر شخص دوسرے کا دشمن بن گیا ہے۔ اخوت، بھائی چارگی اور مشترکہ گنگا جمنی تہذیب کو ہندوتوا کے کفن میں لپیٹ کر دفن کر دیا گیا ہے۔

لوٹ کا کیا عالم ہے خدا کی پناہ۔ نوٹ بندی اور جی ایس ٹی کے ذریعے کروڑوں روپے عوام سے خون کی شکل میں چوس لئے گئے، اور ساری دولت ''مودیوں'' کے ذریعے ملک سے باہر بھیج دی گئی اور جو کچھ بچا وہ ملک میں موجود مودی نے اپنے رہن سہن، لباس اور غیر ملکی دوروں پر لٹادیے، سونے کا چمچہ منہ میں لے کر پیدا ہونے والے وزرائے اعظم نے بھی دس لاکھ کا لباس کبھی نہیں پہنا، جب کہ چائے بیچنے والے آج کے پردھان سیوک ایسا لباس شوق سے پہنتے ہیں اور غیر ملکی دورے پر اتنا خرچ کررہے ہیں جیسے دنیا کے امیر ترین ملک کے نمائندہ ہوں۔ کہا گیا کہ نوٹ بندی اور جی ایس ٹی سے ملک کو بہت دولت ملی لیکن سب دولت کہاں گئی؟ عوام آج بھی پیسے پیسے کو ترس رہے ہیں۔ مہنگائی آسمان چھورہی ہے، لوگ بینک کی صفوں میں زندگی کھورہے ہیں اور اپنے ہی پیسے کے لئے محتاج ہیں۔ اے ٹی ایم خالی، بینک خالی — پیسے کہاں گئے کسی کے پاس جواب نہیں۔ بڑے بڑے بینکر، ساہوکار، صنعت کار کی قسمت کے دروازے کھل گئے ان پر دولت کی بارش ہورہی ہے اور بیچارہ غریب — چھوٹی چادر میں اپنا پیر سمیٹتا جارہا ہے، سر چھپاتا ہے تو پیر کھلتا ہے، پیر چھپاتا ہے تو سر — دولت کی ایسی لوٹ مچی کہ پورا ملک دہل گیا۔

اور ان ساری لعنتوں کو سہارا دینے کے لئے چوتھا ستون بنایا گیا جھوٹ۔ خود وزیر اعظم حد درجہ جھوٹ بولتے ہیں، اتنی روانی اور فراوانی کے ساتھ کہ دنیا کے تاریخی جھوٹے بھی شرم سے پانی پانی ہوجائیں۔ وہ خود اور کابینہ کے تمام وزراء بھی عوامی جلسوں میں اور قانون ساز اداروں میں جھوٹ بول رہے ہیں۔ غلط اعداد وشمار پیش کئے جارہے ہیں، تاریخ کو مسخ کرکے نئی تاریخ بنائی جارہی ہے اور سارے انتخابی وعدے جھوٹ کے پلندے میں لپیٹ دیے گئے ہیں۔

ملک کے سارے آئینی اداروں پر قابض ہوجانے کے بعد ایسے ایسے اقدامات حکومت کی جانب سے ہوئے ہیں جس سے قانون، انسانیت، انصاف سبھی شرمسار ہیں۔ حالیہ دنوں میں ملک کے مختلف صوبوں میں انتخابات ہوئے۔ گجرات چھوڑ کر کہیں بھی بی جے پی کو اکثریت نہیں ملی، بلکہ وہ سب سے بڑی پارٹی بھی بن کر نہیں ابھری لیکن اپنا گورنر، اپنی عدالت کے زعم میں جوڑ توڑ کرکے اس نے ہر جگہ حکومت بنالی، سب سے بڑی پارٹی کو یکسر نظر انداز کردیا گیا، اسے حکومت سازی کی دعوت تک نہیں دی گئی — لیکن گزشتہ ہفتہ کرناٹک میں ہوئے انتخاب میں کانگریس اور جنتادل سیکولر نے انتخاب کے بعد اتحاد کرلیا اور

فوراً گورنر سے حکومت سازی کی درخواست کی لیکن گورنر نے اس پر عمل نہ کر کے سب سے بڑی پارٹی بی جے پی کی حکومت بنوالی۔ بی جے پی نے بس ایک حکمت عملی اپنا رکھی ہے کہ کسی طرح پورے ملک میں بھگوا غنڈہ گردی قائم کر دینا ہے چاہے اس کے لئے قانون کا گلا گھونٹا جائے، جمہوریت کا قتل ہو یا انصاف سولی پر لٹک جائے۔آپ یقین کریں اگر ان بکے ہوئے آئینی اداروں میں کوئی حکومت کا حکم ماننے سے انکار کر دے تو آخر میں فوج تو ہے ہی اس کا سہارا لے کر یہ عمل جاری رکھا جائے گا۔۔۔ اور اس کی ابتداء موجودہ کمانڈر ان چیف جنرل راوت نے کر دی ہے جنہوں نے پے در پے کشمیر پر بیانات دیے ہیں۔ایسے بیانات جو فوج کو نہیں بلکہ سول حکومت کو دینا چاہیے یہ غلط روش کا آغاز ہے جس پر روک لگنی چاہئے۔لیکن کسے سراہا جائے اور کس کی مذمت ہو۔جب خود وزیر اعظم ایسے بیانات دے رہے ہیں جس پر سبھی حیرت زدہ ہیں۔حال میں انہوں نے پبلک میٹنگ میں یہ بیان دیا کہ پاکستان کو اس کے کرتوتوں کی سزا دے دی گئی ہے۔۔۔ اتنے لوگوں کو پاکستان میں گھس کر مارا گیا کہ شمار مشکل ہے،اس لئے میں نے خود پاکستان کو فون کر کے کہا کہ بھائی تمہارے لوگوں کی لاشیں تمہارے ملک میں پڑی ہیں گن کر لے جاؤ۔اس سے قبل سرجیکل اسٹرائک کا دعویٰ کر کے سیاسی فائدہ اُٹھا چکے ہیں، جبکہ کسی بھی سرجیکل اسٹرائک سے پاکستان نے انکار کیا اور خود اس ملک کا دانشور طبقہ اور پوری کانگریس جماعت ایسے کسی سرجیکل اسٹرائک پر شبہ کا اظہار کرتی رہی ہے اور اسے بی جے پی کا ہتھکنڈا کہتی رہی ہے۔ملک میں جب کہیں انتخاب ہوتا ہے مودی جی کو پاکستان یاد آتا ہے اور اس کی پٹائی یاد آتی ہے۔۔۔ ویسے عام دنوں میں انہیں پاکستانی بریانی بہت پسند ہے جسے بلائے یا بن بلائے پاکستان جا کر نوش فرماتے رہتے ہیں۔وزیر اعظم کے انہی بیانات اور طرز عمل سے یہاں کے ہندو تو اوادیوں کا حوصلہ بڑھا ہے اور وہ ٹی وی مباحثے پر یہ کہتے ہوئے سنے گئے ہیں کہ ہندوستان کے نوجوانوں کو تعلیم، روزگار یا ملک کی ترقی سے کوئی دلچسپی نہیں وہ بس یہ چاہتے ہیں کہ پاکستان کو منہ توڑ جواب دیا جاتا رہے،اسی میں ملک کی بھلائی ہے۔اس سے بڑھ کر ملک کی بدقسمتی کیا ہوگی کہ عوام اپنے ہزاروں مسائل سے منہ موڑ کر پڑوسی ملک کی تباہی میں اپنا مفاد دیکھیں۔

❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄

دوسری قسط

خاتون جنت حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا

● مولانا نورالحق رحمانی — استاذ المعہد العالی، پھلواری شریف، پٹنہ

علامہ شبلیؒ تحریر فرماتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہیز میں ایک پلنگ اور ایک بستر دیا، اصابہ میں لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چادر، دو چکیاں اور ایک مشک بھی دی اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ یہی دو چیزیں عمر بھر ان کی رفیق رہیں — (سیرت النبی: ۲۵۲/۲)

شادی کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا کہ اندرون خانہ کے کام مثلاً آٹا پیسنا، گوندھنا، روٹی پکانا اور جھاڑو دینا وغیرہ سیدہ فاطمہ زہراء انجام دیں گی اور گھر سے باہر کی خدمت یعنی کسب معاش، اونٹ کو چارہ اور پانی دینا اور بازار سے سودا وغیرہ، خرید کر لانے کی خدمت حضرت علی مرتضیٰ انجام دیں گے۔

"قضى رسول الله صلى الله عليه وسلم على ابنته فاطمة بخدمة البيت وقضى على على رضى الله عنه بما كان خارجاً من البيت من خدمة" — (حلية الاولياء للحافظ أبي نعيم: ۱۰۴/۶، سير أعلام النبلاء: ۹۱/۲)

اس شادی مبارک سے مسلمانوں کو بے حد خوشی ہوئی، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس سے اچھی شادی کوئی اور نہیں دیکھی، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بھی چچا تھے، دو مینڈھے خرید لائے اور انہیں ذبح کر کے مدینہ کے مسلمانوں کو کھلایا۔

بعض روایتوں میں آتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی حضرت علی کو ولیمہ کا حکم فرمایا تھا، چنانچہ حیاۃ الصحابہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے علی! دلہن (کے گھر) آنے پر ولیمہ کا ہونا ضروری ہے، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا میرے پاس ایک مینڈھا ہے (میں وہ دے دیتا ہوں) اور انصار نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے چند صاع مکئی جمع کی (۸۳۸/۲) ممکن ہے کہ اس بابرکت موقع پر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے بھی انتظام کیا ہو اور انصار مدینہ نے بھی اور مسلمان دونوں کھانوں سے بہرہ ور ہوئے ہوں۔

علامہ عبدالحقؒ لکھتے ہیں: مواہب لدنیہ میں اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ علی مرتضیٰ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا پر ولیمہ کیا، اس وقت ان کے پاس ولیمہ کے لیے کچھ موجود نہ تھا، مگر انہوں نے ولیمہ کیا اور اپنی زرہ ایک یہودی کے پاس جو پر گروی رکھا، ان کے ولیمہ میں چند صاع جو، کھجوریں اور حیس (کھیر) کا کھانا تھا—(مدارج النبوت اردو: ۱۳۰/۲)

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے پیغمبر کی بیٹی ہونے کی باوجود عسرت اور تنگی کی زندگی گذاری، اس لیے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس خاندانی شرافت و وجاہت تھی، شجاعت و بسالت تھی، علم اور دین تھا لیکن مال و دولت نہیں تھی کہ وہ ان کی شایان شان خدمت کرسکیں اور ان کے لیے زیب و زینت اور آرام و آسائش کا سامان مہیا کرسکیں، اس لیے انہیں گھریلو کام کاج گھر میں جھاڑو لگانا، چکی پیسنا، روٹی پکانا، کنویں سے پانی بھر کر لانا، شوہر کی خدمت یہ سارے کام خود انجام دینے پڑتے تھے، چکی پیستے پیستے دونوں ہتھیلیوں میں آبلے پڑ جاتے، سینے پر مشک بھر کر لانے سے سینے پر نشان پڑ جاتا، جھاڑو لگانے اور چولہا پھونکنے سے کپڑے میلے ہوجاتے، ایک خادمہ کی ضرورت تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مال غنیمت میں کچھ لونڈی آئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ تم ابا جان کے پاس جا کر ایک خادمہ کا سوال کرو، وہ حاضر خدمت ہوئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے استفسار فرمایا کہ کیسے آنا ہوا؟ وہ شرم کی وجہ سے اپنا مدعا پیش نہ کرسکیں اور فرمایا کہ آپ کو سلام کرنے آئی تھی، پھر واپس آگئیں تو حضرت علی مرتضیٰ نے پوچھا کہ کیا ہوا؟ تو کہا کہ مجھے سوال کرتے ہوئے شرم محسوس ہوئی، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ انہیں اپنے ہمراہ لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور گھر کی ضرورت اور کام کی تکلیف و مشقت کا تذکرہ کیا اور خدمت کے لیے ایک لونڈی کا سوال کیا جو گھر کے کام میں ہاتھ بٹائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ کی قسم! میں اہل صفہ کو چھوڑ کر تمہیں کوئی لونڈی نہیں دے سکتا، ان کے خورد و نوش کا کوئی معقول انتظام نہیں ہوسکا ہے، انہیں فاقے سے گزرنا پڑتا ہے، اس لیے میں ان غلاموں اور باندیوں کو فروخت کرکے ان کی قیمت سے ان کے کھانے پینے کا انتظام کروں گا۔ یہ جواب سن کر دونوں میاں بیوی گھر لوٹ آئے، رات کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لائے، اور فرمایا تم لوگ جو چیز مانگ رہے ہو اس سے بہتر چیز تمہیں نہ بتاؤں؟ انہوں نے عرض کیا: کیوں نہیں ضرور ارشاد فرمائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ چند کلمات ہیں جو جبرئیل امین نے مجھے سکھائے ہیں، تم دونوں ہر نماز کے بعد دس مرتبہ سبحان اللہ، دس مرتبہ الحمدللہ، دس مرتبہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو، اور جب اپنے بستر پر (رات کو) لیٹ جاؤ تو ۳۳/مرتبہ سبحان اللہ، ۳۳/مرتبہ الحمدللہ، اور ۳۴/مرتبہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو، یہ تمہارے لیے خادم سے بہتر ہے—(طبقات ابن سعد، ج:۸، الإصابہ: ۱۵۹/۸، صحیح مسلم کتاب الذکر والدعا، حدیث: ۲۷۲۷)

یہ حضرت سیدہ کی فرماں برداری و اطاعت شعاری ہے کہ انہوں نے اپنے عظیم والد کے انکار پر کوئی حرف شکایت زبان پر نہیں لایا اور نہ اپنے مطالبہ پر اصرار کیا، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سکھائے ہوئے کلمات تسبیح و تحمید و تکبیر کو

دونوں نے اس طرح حرز جان بنالیا کہ پھر زندگی بھر اور مشکل ترین حالات میں بھی کبھی اس کو چھوڑنے کی نوبت نہیں آئی، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ کلمات سکھائے واللہ میں نے انہیں کبھی نہیں چھوڑا، اس پر ان کے اصحاب میں سے کسی نے دریافت کیا کہ جنگ صفین کی رات میں بھی آپ نے انہیں نہیں چھوڑا تو انہوں نے جواب دیا کہ جی ہاں، صفین کی رات میں بھی میں نے (اس ورد و وظیفہ کو) نہیں چھوڑا — (دیکھئے: الإصابہ: ۱۵۹/۸، طبقات ابن سعد، ج:۸)

یہ تسبیحات جگر گوشۂ رسول سیدہ فاطمہ بتول ہی کے واسطے سے امت کو ملی ہیں، اس لیے یہ تسبیح فاطمی کے نام سے مشہور ہیں، اس میں امت کے لیے سبق ہے کہ ایسی گھریلو مشکلات پر قابو پانے کے لیے ان تسبیحات کا اہتمام کریں کہ یہ دنیا و آخرت دونوں کی سعادت کا ذریعہ ہیں۔ اللہ ہمیں بھی ان کے اہتمام والتزام کی توفیق ارزانی نصیب فرمائے۔

نسائی شریف کی ایک حدیث حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے، میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، انہوں نے اپنے گلے سے سونے کی ایک چین نکالی اور (آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھلاتے ہوئے) کہا کہ یہ ابوالحسن (حضرت علی) نے مجھے ہدیہ کیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فاطمہ! کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ لوگ یوں کہیں کہ یہ فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ان کے ہاتھ میں آگ کی زنجیر ہے، پھر انہیں سخت ملامت کی اور وہاں بیٹھے بغیر نکل آئے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اسے فروخت کرکے اس کی قیمت سے ایک باندی خریدی اور اسے آزاد کردیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا:

الحمدللہ الذی نجی فاطمۃ من النار — (سنن النسائی: ۱۵۸/۸، الحاکم: ۱۵۲/۳-۱۵۳)

ترجمہ: شکر ہے اللہ کا جس نے فاطمہ کو آگ سے نجات دی۔

ان واقعات میں امت کے لیے اور انسانیت کے لیے بڑی عبرت اور موعظت ہے۔ سونا اور چاندی کو اس امت کے مردوں کے لیے حرام کیا گیا ہے، عورتوں کے لیے زیورات سے زیب و زینت اختیار کرنا جائز ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے اور اپنی اولاد و ازواج کے لیے عیش و عشرت کے بجائے صبر و قناعت، عسرت اور تنگی، زہد و استغناء اور درویشی اور فقر و فاقہ کی زندگی کو ترجیح دی، امت کے لیے اس میں سبق ہے کہ وہ دنیا کے عیش و آرام کو مقصود نہ بنائیں، بلکہ دنیا سے بے رغبتی و کنارہ کشی اور قوت لایموت پر گذارہ کرکے آخرت کے نعمتوں اور اخروی فلاح و کامرانی کو اپنا قبلہ و کعبہ اور مقصود زندگی بنائیں۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے پر مدعو کیا، انہوں نے گھر کے دروازہ پر ایک ایسا پردہ لٹکا رکھا تھا جس پر نقش و نگار تھے اور تصویریں تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر اس رنگین اور

منقش چادر پر پڑی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دروازہ پر کھڑے ہوگئے اور اندر تشریف نہیں لے گئے، بلکہ وہیں سے واپس لوٹ آئے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بہت دل گیر ہوئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چل پڑیں اور پوچھا: اے اللہ کے رسول! صلی اللہ علیہ وسلم آپ کیوں لوٹ آئے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"انه لیس لی ولا لنبی ان یدخل بیتا مزوقا" — (مشکوٰۃ، باب الولیمۃ: ۲۷۸/۲)

ترجمہ: میرے لیے یا کسی نبی کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ مزین اور منقش مکان میں داخل ہو۔

ازواج مطہرات نے ایک مرتبہ جب کہ مال غنیمت کی کثرت کی وجہ سے عسرت کا دور ختم ہوگیا تھا، نفقہ میں اضافہ کا مطالبہ کیا تو آپ کو یہ بات ناگوار گذری اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے ایک ماہ ان سے علیحدگی اختیار کرلی، پھر سورۂ احزاب کی وہ آیت نازل ہوئی، جس میں ان سے کہا گیا کہ:

"اگر تم دنیا کی زندگی اور یہاں کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ سامان دے کر رخصت کردوں، لیکن اگر اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کا گھر چاہتی ہو تو اللہ نے تمہارے لیے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے"— (الاحزاب)

یہی آپ کا مطمح نظر تھا اور اسی کی آپ نے امت کو تلقین فرمائی، اور جب بھی صحابۂ کرام کا میلان دنیاوی زیب وزینت کی طرف ہوا تو آپ نے ان کو آخرت کی طرف مائل فرمایا:

"اللهم لا عيش إلا عيش الآخرة"

ترجمہ: اے اللہ! آرام تو صرف آخرت کا آرام ہے۔

سیدہ فاطمہ باوجودیکہ آپ کو دل وجان سے زیادہ عزیز تھیں، اور آپ کو ان کی کوئی اذیت اور تکلیف گوارہ نہیں تھی لیکن اس کے باوجود آپ نے ان کے خادم مہیا کرنے کی درخواست کو قبول نہیں فرمایا اور اس کا نعم البدل عطا فرمایا، جس کا نفع ہمیشہ رہنے والا ہے، اور آخرت سے غفلت پیدا کرنے والی زینت سے ان کو دور رہنے کی تلقین فرمائی۔

اس مبارک نکاح پر سال بھر کا عرصہ گذرا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد کی نعمت سے نوازا، اس سے زوجین کی، اہل خاندان کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں، بڑے صاحبزادے رمضان ۳ھ میں پیدا ہوئے، نانا جان نے نواسے کا نام حسن رکھا، خود سے ان کے کان میں اذان دی اور تحنیك فرمائی، اور ان کے سر کے بال مونڈ کر اس کے برابر چاندی فقراء ومساکین پر صدقہ کیا، پیدائش کے ساتویں دن ان کا عقیقہ ہوا، حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی پیدائش پر سال بھر کی مدت گزری تھی کہ دوسرے صاحبزادے حضرت حسینؓ کی ولادت ہوئی یعنی شعبان ۴ھ میں، ان ہی دونوں کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں، حضرت سیدہ کی اولاد کے ذیل میں ایک تیسرے صاحبزادے حضرت محسنؓ کا نام بھی آتا ہے۔ لیکن وہ بچپن میں ہی انتقال فرماگئے۔ ۵ھ میں ایک صاحبزادی تولد ہوئی، جن کا نام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب رکھا اور ۷ھ میں ایک دوسری بچی پیدا ہوئی جن کا نام نانا جان نے ام کلثوم رکھا، اس طرح آپ کی چار اولاد زندہ رہی، دو لڑکے اور دو لڑکیاں، اور انہیں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل چلی، بڑی بیٹی حضرت زینب کا نکاح شہید اسلام حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے صاحب زادہ عبداللہ بن جعفر سے ہوا، اور چھوٹی صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نکاح کیا، اور دونوں صاحب اولاد ہوئیں، اور ان سے نسل چلی، ان اولاد کی تربیت میں حضرت سیدہ کا اہم کردار تھا، یہ دونوں نواسۂ رسول بھی اپنی ماں کی طرح نانا جان کی سیرت کا عکس جمیل تھے کہ پہلے نے یہ کارنامہ انجام دیا کہ اپنی خلافت سے دستبردار ہو کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بیعت کر لی اور امت کو لڑائی جھگڑے اور خون خرابہ سے بچالیا، اس طرح ٹوٹی ہوئی امت پھر سے متحد ہوگئی، یہ کارنامہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے، اور دوسرے صاحبزادے نے حق کی خاطر گردن کٹائی اور خاندان کے ستر افراد کے ساتھ معرکۂ کربلا میں جام شہادت نوش فرمایا۔ اور اپنے نانا کے لائے ہوئے دین پر کوئی آنچ آنے نہ دیا، اور کسری کی سنت کو زندہ نہ ہونے دیا۔ اس لیے علامہ اقبال نے حضرت سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا کو ماؤں کے لیے اسوہ کامل قرار دیا ہے، مادراں را اسوۂ کامل بتول، ضرورت ہے کہ مائیں حضرت بتول کی سیرت سے سبق حاصل کریں اور اپنی اولاد کی تربیت میں ان کو اپنے لیے نمونہ بنائیں۔

حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حالات میں ایک مسکین ومحتاج کو کھانا کھلانے کے لیے اپنی چادر کو فروخت کرنے یا گروی رکھنے کا واقعہ بھی مذکور ہے، علامہ اقبالؒ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شان میں جو قصیدہ کہا ہے، اس میں اس کا ذکر ہے :

بہر محتاجے دلش آں گونہ سوخت ❁ با یہودے چادر خود را فروخت

یعنی ایک محتاج کے لیے ان کا دل اس درجہ جلا اور دکھی ہوا کہ انہوں نے ایک یہودی کے ہاتھ اپنی چادر فروخت کر دی۔

واقعہ یہ ہے کہ قبیلہ بنو سلیم کے ایک بوڑھے مسکین نے اسلام قبول کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم ان کا حال دریافت کرنے کے بعد صحابۂ کرام کو ان کی مدد کے لیے ابھارا، حضرت سعد بن عبادہ نے اپنی ایک اونٹنی ان کو ہبہ کر دی، حضرت علی مرتضیٰؓ نے اپنا عمامہ اس کے سر پر باندھ دیا، اور حضرت سلمان فارسیؓ ان کے کھانے کا انتظام کرنے کے لیے انہیں اپنے ہمراہ لے کر نکلے، کئی گھروں پر آواز لگائی مگر کچھ نہ ملا تو سیدہ فاطمہؓ کے گھر پہنچ کر دروازہ کھٹکھٹایا، اور انہیں صورت حال سے مطلع کر کے یہ درخواست کی کہ وہ ان کے کھانے کا نظم کریں، حضرت سیدہ کے گھر میں کئی دن کا فاقہ تھا، بچے بھوکے سو گئے تھے اس وقت کھانے کا انتظام مشکل تھا مگر انہوں نے اس محتاج کو خالی ہاتھ جانے نہ دیا، اپنی ایک چادر حضرت سلمان کے سپرد کی کہ وہ اسے شمعون یہودی کے پاس لے جائیں، اور اسے ان کے پاس گروی رکھ کر کچھ غلہ لے آئیں، تاکہ اس مسکین کی خوراک کا انتظام ہو سکے، حضرت سلمان فارسیؓ نے جا کر اس یہودی کو صورت حال سے مطلع کیا، یہودی نے حیرت زدہ ہو کر قسم کھائی اور کہا کہ یہ وہی لوگ ہیں جن کی خبر تورات میں دی گئی ہے، تم گواہ رہنا کہ میں فاطمہؓ کے باپ پر ایمان لایا، پھر کچھ غلہ حضرت سلمانؓ

کے سپرد کیا اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی چادر بھی لوٹا دی، سیدہ نے اسے پیس کر روٹی تیار کی اور سلمان فارسی کو دی، وہ اسے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اس محتاج اعرابی کو کھلایا اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے دعا فرمائی۔

غزوات میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ام سلیطؓ مشکے میں پانی بھر کر لاتیں، زخمیوں کو پلاتیں اور ان کی مرہم پٹی کرتیں، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جب اپنے والد کے زخمی ہونے کی خبر پہنچی تو وہ دوڑی ہوئی آئیں، سر میں خود کی کڑی چبھ گئی تھی، جس سے خون بہ رہا تھا اور چہرہ لہولہان تھا، دندان مبارک شہید ہو گئے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ پانی لائے اور سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے زخموں کو دھویا، جب خون نہیں رکا تو سیدہؓ نے چٹائی کے ایک ٹکڑے کو جلا کر راکھ زخم پر چپکا دی تو خون رک گیا۔

"فلما رأت فاطمة أن الماء لايزيد الدم إلا كثرة، اخذت قطعة من حصيرة فأحرقتها وألصقتها فاستمسك الدم" — (صحيح البخاری: ۵۴۸/۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب سفر سے واپس آتے تو مسجد میں داخل ہوتے، وہاں دو رکعت نفل پڑھ کر حضرت فاطمہؓ سے ملتے پھر ازواج مطہرات سے ملاقات کرتے۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں :

"ما رأيت احدا كان أشبه كلاما و حديثا برسول الله صلى الله عليه وسلم من فاطمة، و كانت إذا دخلت عليه قام إليها فقبلها و رحب بها، و كذلك كانت هى تصنع به" — (ابوداؤد، حدیث: ۵۲۱۷، ترمذی، حدیث: ۳۸۷۱)

ترجمہ : میں نے بات چیت کرنے میں کسی کو فاطمہ سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ نہیں پایا، وہ جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو آپ اٹھ کر ان کو خوش آمدید کہتے، خیر مقدم کرتے، ان کو چومتے اور ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے قریب بیٹھاتے، اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے تو وہ بھی آپ کے ساتھ ایسا ہی کرتیں۔

اس سلسلے میں ایک مشہور واقعہ یہ بھی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ابو جہل بن ہشام کی بیٹی غوراء سے نکاح کرنا چاہا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جب اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا، ادھر غوراء کے سرپرست ہشام بن مغیرہ کے لڑکے سب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی اجازت لینے آئے، یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غصہ کی حالت میں مسجد نبوی تشریف لائے اور منبر پر چڑھ گئے، لوگ بھی آپ کے پاس اکٹھا ہو گئے، آپ نے اللہ کی حمد وثنا کی پھر فرمایا: ہشام بن مغیرہ کے لڑکے مجھ سے اجازت لینے آئے ہیں کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح علی بن ابی طالب سے کر دیں، میں انہیں اس کی اجازت نہیں دیتا، ہاں اگر ابن ابی طالب میری بیٹی کو طلاق دیدیں تو وہ ان کی بیٹی سے نکاح کر سکتے ہیں،

میری بیٹی میرے جسم کا ایک حصہ ہے، جس چیز سے فاطمہ کو تشویش اور اذیت ہو اس سے مجھے بھی تشویش اور اذیت ہوتی ہے، میں کسی حلال کو حرام اور کسی حرام کو حلال نہیں کرسکتا، لیکن اللہ کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتی— (بخاری، فضائل اصحاب النبی، باب مناقب فاطمۃ، حدیث: ۲۴۴۹)

اس تنبیہ کا اثر یہ ہوا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے غوراء سے شادی کا ارادہ ترک کردیا اور حضرت سیدہؓ کی زندگی میں دوسری شادی نہیں کی۔

حضرت سیدہ زہراء کی ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ وہ آیت تطہیر کی مصداق ہیں، حضرت ابوسلمہؓ کے صاحبزادے عمرو بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت (یعنی آیت تطہیر) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی :

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۝ — (الاحزاب)

ترجمہ : اے نبی کے گھر والو بے شک اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ وہ تم سے گندگی کو دور کردے اور تم کو اچھی طرح پاک صاف کردے۔

یہ آیت حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ اور حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور ان کو چادر اوڑھائی، حضرت علی آپ کی پشت کی طرف تھے تو انہیں بھی چادر اوڑھائی پھر فرمایا: اے اللہ یہ لوگ میرے اہل بیت ہیں، ان سے گندگی اور پلیدی کو دور کردے اور انہیں خوب پاک صاف کردے— (سنن الترمذی، باب مناقب اهل البيت)

یہ آیت کریمہ کا آخری ٹکڑا ہے، آیت کے شروع میں ازواج مطہرات سے خطاب ہے :

وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ— (الاحزاب : ۳۳)

اس آیت کریمہ میں ازواج مطہرات سے خطاب کرکے فرمایا گیا کہ تم اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور زمانہ جاہلیت میں جس طرح بے پردہ نکلتی تھیں، اب نہ نکلا کرو، اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ آگے تطہیر والا ٹکڑا ہے، اس میں ازواج مطہرات بھی داخل ہیں اور سیدہ فاطمہ زہرا ان کے دونوں فرزند حسن وحسین اور ان کے شوہر حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی، جمہور اہل سنت صحابۂ کرام اور اہل حق کا یہی مسلک ہے۔

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ زہراؓ کے گھر تشریف لائے، وہ چکی پیس رہی تھیں اور ان پر اونٹ کے بال کا لباس تھا، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ دیکھ کر رونے لگے اور فرمایا: فاطمہ! آخرت کی نعمت کے لیے دنیا کے تلخ گھونٹ پیو، وہ آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑی ہوگئیں، آپ نے ایک نظر ان پر ڈالی تو بھوک کی شدت کی وجہ

سے چہرہ زرد نظر آیا اور خون کی کمی نظر آئی، آپ نے فرمایا: فاطمہ رضی اللہ عنہا قریب ہو جاؤ چنانچہ وہ قریب آ کر سامنے کھڑی ہو گئیں آپ نے ان کے لیے دعاء فرمائی: اے لوگوں کو آسودہ کرنے والے اور تنگی کو دور کرنے والے فاطمہ بنت محمد کی تنگی کو دور فرما—(أعلام النبلاء:۱۲۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت زہراؓ اور ان کے شوہر کے درمیان مصالحت کرانا۔ زوجین کے ازدواجی تعلقات خواہ کتنی ہی الفت ومحبت پر مبنی ہوں، مگر کبھی کبھی باہمی تعلقات میں تلخی اور شکر رنجی پیدا ہو جاتی، ایسے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا کر ان میں صلح کرا دیتے، ایک مرتبہ سیدنا علی مرتضیٰ نے حضرت سیدہ زہرا پر کسی معاملے میں کچھ سختی کی، حضرت فاطمہ نے فرمایا: اللہ کی قسم میں اس کی شکایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کروں گی، چنانچہ وہ اس ارادہ سے نکلیں تو حضرت علی بھی ان کے پیچھے چلے اور جا کر ایسی جگہ کھڑے ہوئے جہاں سے دونوں کی باتیں سن سکیں، چنانچہ سیدہ زہرا نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت علی کی شدت اور سختی کی شکایت کی، آپ نے ارشاد فرمایا: بیٹی! شوہر کی بات سنو اور مانو اور عقل سے کام لو، عورت تو وہ ہے جو اپنے شوہر کی مرضی کا خیال رکھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے چپ چاپ سن رہے تھے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایسے عمل سے باز رہنے کا ارادہ کر لیا اور حضرت زہرا سے فرمایا: اللہ کی قسم میں آئندہ کبھی کوئی ایسا کام نہیں کروں گا، جو تمہیں ناگوار ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اصلاح کے لیے یہ شکایت ہی کافی تھی، اس واقعہ میں بھی امت کے لیے نصیحت ہے، زوجین میں کبھی اختلاف رونما ہوتا ہے تو لڑکی والے اور اس کے والدین زیادہ تر لڑکی کی طرف داری کرتے ہیں اور اس کے شوہر سے ناراضگی ظاہر کرتے ہیں۔ جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی کی شکایت سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک حرف نہیں کہا، بلکہ اپنی بیٹی ہی کو سمجھایا، اسی طرح کا ایک واقعہ اور مذکور ہے۔

حبیب بن ثابت فرماتے ہیں کہ حضرت علی اور سیدہ زہرا کے درمیان کچھ بات ہو گئی، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ان کے گھر) تشریف لائے اور ٹھہرے رہے یہاں تک کہ دونوں کے درمیان صلح کرا دی، پھر آپ باہر آئے تو آپ سے پوچھا گیا کہ جب آپ گھر میں داخل ہوئے تھے تو آپ کی ایک حالت تھی اور جب آپ نکلے تو چہرے پر مسکراہٹ تھی، تو آپ نے فرمایا: میرے لیے کیا چیز مانع تھی، میں نے تو اپنے دونوں محبوب کے درمیان صلح کرا دی— (الإصابة:۸)

حجۃ الوداع کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار پڑے، مرض رفتہ رفتہ بڑھتا چلا گیا تو آپ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کے حجرے میں قیام پذیر ہو گئے، اس دوران حضرت سیدہ زہرا باپ کی عیادت کے لیے تشریف لائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان پر نظر پڑی تو خوشی ومسرت سے ان کا خیر مقدم کیا اور ان کا بوسہ لے کر قریب میں بیٹھایا، پھر ان کے کان میں چپکے سے کوئی بات کہی تو وہ بہت رونے لگیں (یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کی خبر تھی) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کی گھبراہٹ دیکھی تو دوبارہ چپکے سے ان کے کان میں کوئی بات کہی تو وہ اس پر خوش ہو گئیں، حضرت عائشہؓ نے ان سے وجہ

دریافت کی تو اس وقت انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راز کو منکشف کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد دوبارہ حضرت صدیقہؓ نے ان سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ ہاں اب میں بتا سکتی ہوں۔

پہلی مرتبہ کی سرگوشی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ بتلایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ہر سال مجھ سے ایک مرتبہ قرآن کا دور کرتے تھے اور اس مرتبہ انہوں نے دو مرتبہ دور کیا، میں سمجھتا ہوں کہ میری وفات کی مدت قریب ہے، پس تم اللہ سے ڈرتی رہو اور صبر کرتی رہو، میں تمہارے لیے بہترین سلف ہوں، وہ فرماتی ہیں کہ اس پر میں رونے لگی جیسا کہ آپ نے دیکھا، جب انہوں نے میری گھبراہٹ کو دیکھا تو دوبارہ سرگوشی کرتے ہوئے فرمایا: فاطمہ کیا تم اس پر خوش نہیں ہو کہ تم جنتی عورتوں کی سردار بنو؟ اور میرے اہل خاندان میں تم مجھ سے سب سے پہلے آ کر ملو؟ اس خبر پر میں ہنسی — (دیکھئے: بخاری، المغازی، باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ووفاتہ، مسلم حدیث: ۲۴۵۹)

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض نے شدت اختیار کی اور تکلیف میں اضافہ ہوا تو وہ رات کو جاگ کر آپ کی خدمت میں مصروف رہیں، جب آپ پر غشی اور استغراق کی کیفیت طاری ہوتی تو سیدہ زہرا کی آنکھیں اشکبار ہو جاتیں اور فرماتیں: واکرب اباہ، (ہائے میرے ابا جان کی تکلیف) تو آپ فرماتے: لیس علی أبیك کرب بعد الیوم۔ تیرے باپ کو آج کے بعد پھر کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ جب روح مبارک قفص عنصری سے پرواز کر گئی اور آپ رفیق اعلیٰ سے جا ملے تو فرمایا:

"یا أبتاہ أجاب ربا دعاہ، یا ابتاہ جنة الفردوس ماواہ یا أبتاہ إلی جبرئیل ننعاہ"۔

ترجمہ : اے باپ! آپ نے اپنے رب کی دعوت قبول فرمائی، اے باپ! جنت الفردوس آپ کا ٹھکانہ ہوگا، اے باپ! ہم جبرئیل کو آپ کے وصال کی خبر دیتے ہیں۔

باپ کی وفات کا صدمہ ان کی زندگی کے لیے سب سے بڑا حادثہ تھا۔ جس نے ان کی زندگی کی خوشی ومسرت کو چھین لیا، اس کے بعد پھر کبھی انہیں مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔

غسل اور تجہیز وتکفین کے بعد حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں دفن کیا گیا، تدفین کے بعد خادم رسول حضرت انس بن مالک سے انہوں نے دریافت کیا :

"یا أنس! أطابت انفسکم أن تحثو علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم التراب"۔

(بخاری، کتاب المغازی)

ترجمہ : اے انسؓ! کیا تمہارے دلوں نے یہ پسند کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر پر مٹی ڈالو؟

باپ کی وفات پر ان کی قبر پر کھڑے ہو کر اشکبار آنکھوں سے انہوں نے جو مرثیہ کہا ہے، وہ ان کے دل کی کیفیت کا ترجمان اور غم واندوہ کی منھ بولتی تصویر ہے، فرماتی ہیں :

ماذا علی من شتم تربة احمد ❁ أن لا یشم مدی الزمان غوالیا

صبت علی مصائب لوانها ❁ صبت علی الأیام صرن لیا لیا

جس نے احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر کی مٹی سونگھ لی اسے کسی اور خوشبو سونگھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

مجھ پر اتنے مصائب پڑے کہ اگر وہ دنوں پر ڈالے جاتے تو وہ رات میں تبدیل ہو جاتے۔

روضۂ انور ہی پر ان کے دوسرے مرثیہ کے چند اشعار یہ ہیں :

انا فقدناك فقد الأرض و ابلها ❁ و غاب مذغبت عنا الوحی والکتب

فلیت قبلك کان الموت صادفنا ❁ لما نعیت و حالت دونك الکتب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کا صدمہ یوں تو تمام صحابۂ کرام کے لیے سب سے عظیم صدمہ تھا لیکن اس کا سب سے زیادہ اثر سیدہ زہرا پر ہوا، ان پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا، وہ اس کے بعد ہمیشہ غمگین رہنے لگیں، ان کا دل ٹوٹ گیا، اس حادثہ کے چھ ہی ماہ بعد انہوں نے آخرت کا سفر کیا، وفات کے وقت عمر مبارک ۲۹ رسال تھی، ۳ رمضان المبارک ۱۱ھ کو منگل کی رات میں ان کا انتقال ہوا، اور رات ہی کو ان کی تدفین عمل میں آئی، نماز جنازہ عم نبیؐ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ طبقات ابن سعد کی رو سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو آگے کیا اور انہوں نے چار تکبیروں کے ساتھ نماز جنازہ ادا کی :

"قال: صلی ابوبکر الصدیق علی فاطمة بنت رسول الله صلی الله علیه وسلم فکبر علیها اربعا"۔ (۱۹/۸)

اور حضرت علی، حضرت عباس اور فضیل بن عباس رضی اللہ عنہم نے قبر میں اتارا، مشہور قول یہ ہے کہ وہ جنت البقیع میں مدفون ہیں۔ حدیث کی کتابوں میں ان سے اٹھارہ حدیثیں مروی ہیں، ان سے روایت کرنے والوں میں ان کے شوہر حضرت علی کرم اللہ وجہہ، ان کے دونوں صاحبزادے حضرات حسنین اور ازواج مطہرات میں حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما جیسے صحابۂ کرام شامل ہیں، یہ روایتیں بخاری ومسلم، ترمذی وابوداؤد اور ابن ماجہ وغیرہ میں ہیں۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے فضائل ومناقب :

احادیث میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بے شمار فضیلت وارد ہے، ان کی فضیلت کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ سردار انبیاء کی لخت جگر، اللہ کے شیر امام الزاہدین وقدوۃ العابدین سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی رفیقۂ حیات، جنتی نوجوانوں کے سردار حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی ماں اور جنتی عورتوں کی سردار ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے بارے میں ارشاد ہے کہ :

"احب اهلی إلیّ فاطمة"۔ (ترمذی، فضائل فاطمة)

ترجمہ : مجھے اپنے اہل وعیال میں فاطمہ سب سے زیادہ محبوب ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے، جس نے اسے ناراض کیا، اس نے مجھے ناراض کیا۔

"فاطمة بضعة منی فمن اغضبها اغضبنی"۔ (بخاری کتاب النکاح)

وہ اپنی صورت وسیرت رفتار وگفتار اور اخلاق واطوار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت مشابہت رکھتی تھیں، نہایت متقی و پرہیزگار، صابر وقانع، کثرت سے عبادت کرنے والی خاتون تھیں، آزمائشوں میں ثابت قدم رہنے والی اور حالات کا صبر واستقامت سے مقابلہ کرنے والی تھیں، وہ بہترین بیٹی، بہترین بیوی اور بہترین ماں تھیں، امت کی عورتوں کے لیے ان کی زندگی کے ہر گوشے اور ان کی سیرت کے ہر پہلو میں کامل نمونہ ہے، اور دنیوی فلاح اور آخرت کی نجات کا بھرپور سامان موجود ہے، کاش مسلم خواتین مغربی تہذیب کی دل دادہ اور حیا باختہ عورتوں کی نقالی اور اندھی تقلید چھوڑ کر خاتون جنت کی پیروی کرکے دنیا وآخرت کی سرخروئی اور اللہ کی رضا وخوشنودی حاصل کریں، خود اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ساری دنیا کی عورتوں میں تمہارے لیے اسوہ ونمونہ مریم بنت عمران، خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد اور فرعون کی بیوی آسیہ ہیں—(سنن ترمذی، کتاب المناقب)

ایک دوسری حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مردوں میں تو کامل لوگ بہت ہوئے ہیں، لیکن عورتوں میں صرف چار صاحب کمال ہوئی ہیں، مریم بنت عمران، زوجہ فرعون آسیہ، خدیجہ بنت خویلد اور فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسی ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر— (الاربعین فی مناقب امهات المومنین)

ایسی کامل اور مثالی خواتین کی سیرت پوری انسانیت کے لیے نمونہ ہے، مردوں کے لیے بھی اور عورتوں کے لیے بھی، ماؤں کے لیے بھی بہنوں کے لیے بھی، بیٹیوں کے لیے بھی اور بیویوں کے لیے بھی۔

اور سیدہ زہرا کی تربیت تو ایسے گھر میں ہوئی تھی جہاں اللہ کی آیتوں اور حکمت کی باتوں کا ہمیشہ چرچا اور تذکرہ ہوتا تھا، ان کی ماں اپنے زمانہ کی پاکباز، عفت مآب اور عزت وشرافت کا پیکر اور برگزیدہ خاتون تھیں، جنہیں اللہ رب العزت نے اپنے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت وزوجیت کے لیے منتخب فرمایا تھا، ایسے ماں باپ کے زیر سایہ سیدہ زہرا پروان چڑھی تھیں، اور علم ودین، ایمان ویقین اور اخلاق وروحانیت کا سبق سیکھا، وہ ظاہری شکل وشباہت میں جمال مصطفیٰ کا عکس جمیل تھیں، تو سیرت وکردار میں بھی خلق عظیم کا پیکر تھیں۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تربیت اس طرح فرمائی تھی کہ ان کی تمام تر محبت کے باوجود وہ انہیں ایمان وعمل اور فکر آخرت پر ابھارتے تھے اور دنیاوی لذات ومرغوبات سے کنارہ کشی کی ترغیب دیتے، آقا ارشاد فرماتے ہیں :

"یافاطمة بنت محمد! أنقذی نفسك من النار فانی لا املك لك من الله ضرا ولا نفعا"۔

ترجمہ : اے محمد کی بیٹی فاطمہ! اپنے آپ کو جہنم سے بچا، کیوں کہ میں اللہ کی طرف سے تمہارے لیے نفع ونقصان کا مالک نہیں ہوں۔

"یافاطمۃ بنت محمد! سلینی ماشئت من مالی، لا اغنی عنك من اللہ شیئا"۔

ترجمہ : اے فاطمہ بنت محمد! تو میرے مال میں سے جو چاہے مانگ لے،لیکن میں تمہیں اللہ کی طرف سے کچھ کام نہیں آسکتا۔

بہر حال سیدہ بتول بڑی باعزیمت خاتون تھیں، وہ بہت سے حوادث اور مصائب سے گذریں،لیکن ہمیشہ صبر و استقامت اور تسلیم و رضا کو اپنا شعار بنایا، رنج وغم کو جھیلتی رہیں اور سنگین حالات اور آلام ومصائب کا پامردی اور ہمت و جرأت کے ساتھ سامنا کیا۔

جب قریش مکہ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خاندان بنی ہاشم کا سماجی بائیکاٹ ہوا اور آپ اپنے اہل و عیال اور اہل خاندان کے ساتھ شعب ابی طالب میں محصور ہوئے، اس وقت سیدہ زہرہ کی عمر دس بارہ سال رہی ہوگی، اس مقاطعہ کا سلسلہ تین برسوں تک جاری رہا، بنی ہاشم اور بنی مطلب کے افراد کا کسی اور جگہ شادی بیاہ کرنا یا خرید و فروخت کرنا ممنوع قرار پایا،اس محاصرہ نے اتنی شدت اختیار کی کہ ببول کے پتے کھا کر گذارہ کرنے کی نوبت آئی،ان کے بچے بھوک سے روتے اور بلبلاتے تھے اور ان کے رونے کی آواز دور تک جاتی تھی،مگر دشمنوں کو رحم نہیں آتا تھا،اس زمانے میں کبھی کبھی خفیہ طریقے پر کھانے پینے کی کچھ چیزیں ان کے پاس پہنچ جاتی تھیں۔ان سنگین حالات کا سامنا سیدہ زہرہ کو اپنی زندگی کے ابتدائی دور اور عنفوان شباب میں کرنا پڑا،جس سے ان کی صحت متاثر ہوئی اور زندگی بھر اس ضعف کا اثر باقی رہا۔پھر محاصرہ ختم ہوا تو مشفق ماں نے داغ مفارقت دی،اس لیے کہ اس بائیکاٹ کا اثر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پر اور خواجہ ابوطالب پر زیادہ ہوا۔چوں کہ وہ دونوں بوڑھے تھے،بوڑھاپے میں اس مصیبت اور فاقہ پر فاقہ کی وجہ سے وہ بالکل نڈھال ہوگئے اور حصار کے ختم ہوتے ہی دونوں اللہ کو پیارے ہوگئے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ ہجرت فرمائی،جس سے وقتی طور پر خاندان نبوت انتشار کا شکار ہوا،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب مدینہ میں قرار آیا تو آپ نے اپنے اہل خانہ کو مدینہ بلوالیا،غزوہ بدر کے موقع پر رمضان ۲ھ میں منجھلی بہن حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا، پھر ۸ھ میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے رحلت فرمائی، پھر ۹ھ میں تیسری بہن ام کلثوم رضی اللہ عنہا اللہ کو پیاری ہوگئیں،اس طرح پیہم انہیں ان صدموں سے گذرنا پڑا، پھر ۱۱ھ میں اپنے عظیم والد کی وفات کا صدمہ سہنا پڑا جو سب سے زیادہ سنگین تھا،جس کے بعد وہ پھر کبھی مسکراتے ہوئے نہیں دیکھی گئیں،اس غم نے انہیں اندر سے پگھلا دیا۔اور یہ صدمہ ان کے لیے جانکاہ ثابت ہوا اور پھر چھ ہی ماہ کے بعد وہ اپنے رب سے اور اپنے باپ سے جاملیں۔اللہ ان کی قبر پر رحمت کی بارش برسائے،اور ہماری خواتین کو ان کی پاکیزہ سیرت کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے—(آمین)

* * * * * * * * * *

ہندو مصنفین کی سیرت نگاری کا جائزہ اور اس کی عصری معنویت

● ڈاکٹر ظفر دارک قاسمی ـــ پوسٹ ڈاکٹریٹ فیلو، شعبہ دینیات (سنی) علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

سیرت نبوی ﷺ اپنی جامعیت (Comprehensive) وآفاقیت کی وجہ سے ہمیشہ موضوع بحث رہی ہے۔اور سیرت کا اعجاز وکمال ہے کہ عصر حاضر میں بھرپور انداز میں اس کے مختلف گوشوں کو اجاگر کرنے کی سعی کی جارہی ہے، اور جب تک نوع انسانی کا یہاں وجود قائم ہے اس وقت تک سیرت نبوی ﷺ پر یہ سلسلہ رواں دواں رہے گا (انشاء اللہ)۔محمد ﷺ کی ذات اقدس کو مسلم مفکرین کے ساتھ ساتھ غیر مسلم مفکرین نے بھی اپنی بحث وتمحیص کا موضوع بنایا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ہر علاقہ اور زبان میں سیرت نبویؐ کی مہک موجود ہے ان تمام مخلصانہ کاوشوں کے باوجود کوئی سیرت نگار ابھی تک آپؐ کی زندگی کا کماحقہ احاطہ نہیں کر پایا ہے، جوں جوں وقت گزر رہا ہے سیرت نبوی ﷺ کے نئے گوشے سامنے آرہے ہیں جو انسانیت کو درپیش مسائل کے حل میں اہم کردار ادا کررہے ہیں۔

سیرت کا مفہوم :

''سیرت'' ساریسیر سے اسم مصدر ہے۔ساریسیر کے مصادر سیراً، تسیاراً، مسیراً، سیرۃ اور سیرورۃ کتب صرف میں مذکور ہیں، ان تمام مصادر کا اسم ''السیرۃ'' ہے۔(۱)

السیرۃ واحد ہے اور اس کی جمع ''السیر'' آئی ہے (۲) ماہر لسانیات نے لفظ ''سیرۃ'' کا معنی طریقہ اور حالت بیان کیا ہے (۳)، ابن منظور نے لکھا ہے: السیرۃ:الھیئۃ، فی التنزیل العزیز،سنعیدھا سیرتھا الاولی (۴) ''سیرت سے مراد ہیئت ہے قرآن میں مذکور ہے کہ عنقریب ہم اسے اس کی پہلی حالت کی طرف لے آئیں گے''۔

اردو میں ''سیرت'' سے عادت،طریقہ،طرز زندگی،نیکی،خاصیت،حالات وواقعات اورسوانح عمری مراد لی جاتی ہے۔(۵) نیز اردو میں سیرت سے مراد نیک کردار اور اچھے افعال بھی لئے جاتے ہیں،البتہ عربی زبان میں صرف طریقہ یا کردار سے بحث ہوتی ہے اس میں اچھے اور برے کی تخصیص نہیں کی جاتی ہے،اس وجہ سے امام علی بن محمد الجرجانی نے اپنی کتاب التعریفات میں لکھا ہے،لغوی طور پر سیرت سے مراد محض طریقہ یا کردار لیا جاتا ہے البتہ وہ طریقہ نیک ہو یا بد اس سے کوئی سروکار نہیں ہے اسی لئے کہا جاتا ہے:فلان محمود السیرۃ وفلان مذموم السیرۃ۔(۶)''فلاں شخص کا کردار لائق تعریف ہے اور فلاں کا قابل مذمت''مگر عموماً عربی اور اردو دونوں میں حسن کردار اور عادت وطریقہ کو ہی سیرت تعبیر کیا جاتا ہے۔

انگریزی میں سیرت کا ترجمہ"Way manner" کیا جاتا ہے(۷)۔ہاں اردو میں سیرت سے وسیع مفہوم لیا جاتا ہے۔مثلاً سوانح عمری،سوانح نگاری،جبکہ عربی میں اسے تاریخ کا حصہ،یونانی میں بائیوگرافی اور انگریزی میں لائف (Life) کہتے ہیں(۸)۔مگر اب عموماً اردو میں سیرت کا انطباق محمدؐ کے حالات وواقعات زندگی پر ہوتا ہے،جسے ہم سیرت نبویؐ سے موسوم کرتے ہیں۔(۹)

البتہ اصطلاح میں سیرت محمدؐ کی حیات طیبہ،ارشادات وافعال مراد لئے جاتے ہیں اس وجہ سے دائرۂ معارف دانشگاہ پنجاب میں لکھا ہے:السیرۃ: ھی الترجمۃ الماثورۃ لحیاۃ النبی محمدعلیہ السلام (۱۰)''سیرت محمدؐ کی حیات طیبہ کے متعلق آثار کے مجموعے کا نام ہے''یہ کہا جاسکتا ہے کہ محمدؐ کی سیرت طیبہ آپؐ کے اقوال وافعال،تقریرات اور صفات کے آثار وروایات پر مشتمل ہے،اس مفہوم کو فقہ السیرۃ النبویہ کے مصنف نے اس طرح بیان کیا ہے:وان کانت السیرۃ النبویۃ ھی ماورد عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قول اوفعل اوتقریراوصفۃ(۱۱)۔شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے مذکورہ تعریف میں وسعت پیدا کرتے ہوئے سیرت صحابہ کو بھی ساتھ بیان کیا ہے۔''جو کچھ ہمارے رسولؐ اور صحابہ کرام کی عظمت اور ان کے وجود سے متعلق ہو جس میں آپؐ کی پیدائش سے وفات تک کے واقعات بیان کئے گئے ہیں،وہ سیرت ہے''۔(۱۲)

قاضی اطہر مبارک پوری نے سیرت کا مفہوم اس طرح بیان کیا ہے :

''یہ لفظ (سیرت) صاحب سیرت کے پورے احوال زندگی پر بولا جاتا ہے اور محدثین ومؤرخین نے کتاب السیرۃ کے نام رسولؐ کے حالات جمع کئے ہیں جن میں مغازی کا تذکرہ بھی ہوتا ہے۔اس وجہ سے سیرت سے مغازی بھی مراد لئے جاتے ہیں(۱۳)۔فقہاء،جہاد اور غزوات میں رسولؐ نے کفار ومشرکین کے ساتھ جو معاملہ فرمایا ہے اس کو سیرت سے تعبیر کرتے ہیں (۱۴)۔حافظ ابن حجر نے اس مفہوم کی توجیہ اس طرح بیان کی ہے۔السیر:جمع سیرۃ واطلق ذالك علی ابواب

الجهاد لانها متعلقة من احوال النبی ﷺ فی غزواته (۱۵) ''السیر: سیرت کی جمع ہے اور اس کا اطلاق جہاد کے مفہوم میں اس لئے ہوتا ہے کہ جہاد سے رسولؐ کے غزوات میں احوال کا علم ہوتا ہے''۔

یہ کہنا مناسب ہے کہ سیرت کا لفظ ایک جامع مفہوم رکھتا ہے جسے کسی ایک خاص اور محدود معنی میں استعمال نہیں کیا جاتا، علماء نے سیرت کو (Biography) سے ممتاز قرار دیا ہے۔ چنانچہ ''سیرت کو محض سوانح عمری (بائیوگرافی) سمجھنا غلط ہے۔ یہ ایک ارفع واشرف تکنیکی عمل ہے۔ اس مغالطے کی وجہ آنحضرت کے بہت سے سوانح نگاروں کی غلطیاں ہیں۔ اسے بائیوگرافی کہنا ہے تو اعلیٰ بائیوگرافی سے تعبیر کرنا چاہئے، کیونکہ اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ سیرت بائیوگرافی کے خصائص سے خالی ہوتی ہے جبکہ سچائی یہ ہے کہ سیرت بائیوگرافی تو ہے لیکن ایک خاص قسم کی بائیوگرافی ہے'' (۱۶)۔ اسی کو مدنظر رکھتے ہوئے برصغیر کے معروف اسلامی اسکالر ڈاکٹر محمود احمد غازی اپنی کتاب محاضرات سیرت میں رقمطراز ہیں :

''سیرت ایک لامتناہی اور متلاطم سمندر ہے، علم سیرت محض ایک شخصیت کی سوانح عمری نہیں ہے، بلکہ یہ ایک تہذیب، ایک تمدن، ایک قوم، ایک ملت اور ایک الٰہی پیغام کا آغاز اور ارتقاء کی ایک دلچسپ اور انتہائی مفید داستان ہے، سیرت ایک ایسا دریائے متلاطم ہے جس دریا کے باسفتہ لامتناہی ہیں''۔ (۱۷)

اس لئے اگر سیرت کو عصری تناظر میں دیکھا جائے تو یہ بات نکل کر سامنے آتی ہے :

(۱) رسول ﷺ کی پیدائش سے لے کر اللہ تعالیٰ کی طرف انتقال تک کی حیات طیبہ کا مطالعہ۔

(۲) محمد ﷺ کے صحابہ کرام کہ جنہوں نے آپؐ کی تصدیق کی اور آپ کے ساتھ مل کر جہاد کیا۔

(۳) رسول ﷺ پر نازل ہونے والی وحی اقراء سے شروع ہونے والے دین کی اشاعت، بالخصوص جزیرۂ عرب میں لوگوں کا اس میں داخل ہونا۔ (۱۸)

ضمناً یہ عرض کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حدیث اور سیرت کا باہمی ربط بھی بیان کر دیا جائے ..... یوں تو حدیث اور سیرت کی تعریفات میں عموماً قدریں یکساں ہیں لیکن کتابت حدیث اور سیرت نگاری کے اقتضاء میں بہت حد تک مماثلت کے باوجود بعض امور میں تغایر پایا جاتا ہے۔

مولانا عبدالرؤف داناپوری نے حدیث اور سیرت میں یکسانیت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اصحاب حدیث دراصل تین امور کو جمع کرتے ہیں :

(الف) محمد ﷺ نے کیا فرمایا۔

(ب) محمد ﷺ نے کیا کیا۔

(ج) محمد ﷺ کے سامنے یا محمد ﷺ کے وقت میں کیا گیا۔

جبکہ اصحاب سیرت بھی انہیں تینوں چیزوں کو مدنظر رکھتے ہیں۔ (۱۹)

حدیث اور سیرت کے درمیان حسب ذیل قدریں مختلف ہیں :

(الف) اصحاب حدیث کا مقصود بالذات احکام کو جاننا ہوتا ہے اور رسولؐ کی ذات سے ان کی بحث ضمناً ہوتی ہے اور اصحاب سیر کا مقصد محمد ﷺ کو جاننا ہے احکام پر بحث ان کے یہاں ضمناً ہوتی ہے۔(۲۰)

(ب) محدثین کے یہاں یہ جاننا ضروری ہوتا ہے کہ یہ فعل یا قول رسولؐ سے منسوب ہے یا نہیں،لیکن اصحاب سیرت کو یہ بھی کرنا پڑتا ہے علاوہ ازیں دو چیزوں کا التزام اور کرتے ہیں۔

(۱) یہ کہ حضور ﷺ نے کیا ایسا کیا یا کہا۔

(۲) ایسے کہنے یا کرنے کی وجہ کیا تھی۔ (۲۱)

(ج) اصحاب سیر محمد ﷺ کے اقوال وافعال کو مسلسل اور مربوط بنانے کی کوشش کرتے ہیں،جبکہ اصحاب حدیث اس کو ضروری قرار نہیں دیتے ہیں۔ (۲۲)

یہی وجہ ہے کہ حدیث میں آپؐ کے حالات پائے جاتے ہیں لیکن بغیر ترتیب کے۔ (۲۳)

(د) سیرت نگار محمد ﷺ کے افعال واقوال کی وجوہات کو بھی جاننا چاہتے ہیں اصحاب حدیث کے برعکس۔(۲۴)

اصحاب سیر محمدؐ کے اقوال وافعال کے متعلق یہ بھی جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ آپؐ نے کیا،کس دن،کس تاریخ کو ایسا کیا یا ایسا کہا۔اصحاب حدیث صرف اتنا ہی کافی سمجھتے ہیں یہ قول یا فعل رسول ﷺ کا ہے۔(۲۵)

(ہ) محدثین روایات رواۃ کی ثقاہت ونقاہت ،تقویٰ اور دیانت کی کمی زیادتی کی بناء پر مقبول رواۃ روایتوں میں اختلاف کے وقت ترجیح دیتے ہیں،جبکہ اصحاب سیر حالات کی موافقت اور واقعات کے علم کی بناء پر ترجیح دیتے ہیں۔(۲۶)

(و) اصحاب سیر کے یہاں محمد ﷺ کی پیدائش کے وقت یا اس کے قریب حجاز کی معاشرتی یا مذہبی حالت کیا تھی، اس کے لکھنے کا منشا یہ ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی تعلیمات سے حالات میں کیا تبدیلی آئی،اور کون سا حکم کس مناسبت سے دیا گیا،محدثین اکثر ان احوال کو تفصیل سے تحریر نہیں کرتے ہیں الا یہ کہ وہ خود محمد ﷺ نے بیان کی۔ پیدائش سے نبوت تک کے حالات کی بھی یہی حالت ہے،بڑے سے بڑے محدثین نے بھی یہی کیا کہ رسولؐ کے بیان کے علاوہ صحابہ اور کبار تابعین کے صحیح اقوال کو جمع کیا۔ (۲۷)

(ز) حدیث کی کتابیں عموماً فقہی ابواب پر منقسم ہوتی ہیں اور کتب سیرت واقعات کی ترتیب کے لحاظ سے مرتب کرتے ہیں۔ (۲۸)

مذکورہ اعتبار وتغایر کی تائید علامہ شبلی نعمانی کے بیان سے ہوتی ہے انہوں نے سیرۃ النبی کے مقدمہ میں لکھا ہے :

سیرت ایک جداگانہ فن ہے اور بعینہ فن حدیث نہیں ہے اور اس بناء پر اس کی روایتوں میں اس درجہ کی شدت احتیاط ملحوظ نہیں رکھی جاتی جو فن صحاح کے ساتھ مخصوص ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ فقہ کا فن قرآن اور حدیث ہی سے ماخوذ ہے، لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ بعینہ قرآن یا حدیث ہے یا ان دونوں کے ہم پلہ ہے۔ (۲۹) یہاں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ اصحاب سیر اور اصحاب حدیث واقعی دو جماعت نہیں۔ جتنے اصحاب سیر ہیں وہ اصحاب حدیث بھی ہیں اور جتنے اصحاب حدیث ہیں وہ اصحاب سیر بھی ہیں مگر جب سیرت کو مرتب کرتے ہیں تو اس کے شرائط اور وجوہ ترجیح میں مناسب تبدیلی کرنی پڑتی ہے۔ (۳۰)

ہندو مصنفین کی سیرت نگاری کی وجوہات :

برصغیر پاک و ہند کا خطہ اس حوالہ سے انتہائی زرخیز ہے کہ اس میں بسنے والے غیر مسلموں کی ایک کثیر تعداد نے حضور ﷺ کی حیات طیبہ کو موضوع سخن بنایا ہے اور آپؐ کے کردار و افعال کی عظمت کو نہ صرف تسلیم کیا ہے بلکہ اپنے قلم کے ذریعہ اسے بھرپور انداز میں پیش کرنے کی سعی کی ہے، برصغیر کے ہندو مصنفین کی سیرت نگاری میں مثبت اور منفی دونوں پہلو پائے جاتے ہیں۔ مثبت سیرت نگاری میں بھی ہندو حضرات امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہندو شعراء، ادباء، فلاسفرز، سیاسی رہنما اور مؤرخین کی ایک بہت بڑی تعداد ایسی ہے جنہوں نے آپ ﷺ کو خراج تحسین منظوم و نثر پیش کیا ہے، اگر ہم سیاسی تقاریر، اخباری بیانات، مذہبی تقاریر اور نعتیہ اشعار کو چھوڑ دیں تو کتابوں کی تعداد ہی خاصی طویل ہے جن میں محمد ﷺ کے لئے عقیدت و محبت کے فن پارے نظر آتے ہیں۔ یہاں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ ہندوؤں کی سیرت نگاری کا دور ۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ء کے درمیان کا ہے، سطور ذیل میں یہ بتانے کی سعی کی جائے گی کہ ہندوؤں نے محمد ﷺ کی ذات اقدس کو کیوں اپنی تحریری دلچسپیوں کا مرکز و محور بنایا۔

(۱) ہندی سیرت نگاری کی سب سے بنیادی وجہ یہ ہے کہ ان کے مذہبی ادب میں کثرت سے محمد ﷺ کا ذکر خیر موجود ہے، چنانچہ رگ وید میں ۱۶/مرتبہ، یجر وید میں ۱۰/مرتبہ، اتھر وید میں ۴/جگہ اور سام وید میں ایک بار نراشنس (محمد ﷺ) کا نام آیا ہے۔ پروفیسر پنڈت وید پرکاش اپادھیائے کی کتاب اسی مناسبت سے تحریر کی گئی ہے جس کا نام کلکی اوتار اور حضرت محمد ﷺ ہے۔ ہندوؤں کے مقدس ماخذ میں مذکور ہے کہ محمد ﷺ کا ہم معنی لفظ نراشنس ہے، (۳۱) یہ سنسکرت کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں تعریف کیا گیا، ویدوں میں حضورؐ کے لئے عالم ارواح میں احمت کا نام لکھا ہے، سنسکرت زبان میں عموماً آخری ''ت'' کو دال سے بدل دیتے ہیں اس طرح یہ لفظ احمد ہو گیا۔ (۳۲) اس کے علاوہ رگ وید میں خدائے تعالیٰ کے لئے اگنی ایشور (رب کریم) کا ذکر ہے۔ (۳۳) اسلام میں اگنی کا ترجمہ رءوف رحیم بھی کیا جاتا ہے۔ یہ دونوں اسماء اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام ہیں جو حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ملے ہیں۔ اس طرح ویدوں میں حضور ﷺ کے لئے ''سمدرا دوت عربن'' (۳۴) کا لفظ بھی آیا ہے جس کے معنی ہیں پیغمبر عربی خاتم النبیین، مزید یہ لکھا ہے کہ تخلیق جسم سے قبل حضور کی روح اگنی (احمد) جب روح جسم میں آئی۔ نراشنس

(محمد ﷺ) آخر میں آنے والے اور جب کائنات کو اس نے منور کیا ماتریشوا۔ (۳۵) ظاہر ہے کہ قرآن مقدس میں بھی آپ ﷺ کے یہی خصائص مذکور ہیں، لہٰذا اس ضمن میں یہ کہنا درست ہے کہ ہندوؤں کے مقدس مذہبی ادب سرور کائنات کے ذکر سے مملو ہیں، اسی بناء پر غیر مسلم مصنفین نے محمد ﷺ کی ذات گرامی پر قلم اٹھایا۔

(۲) محمد ﷺ کی انسان دوستی اور حسن اخلاق دیکھ کر اور آپ ﷺ کے حیرت انگیز عظیم الشان انقلاب سے متاثر ہو کر بھی ہندو سیرت نگاروں نے محمد ﷺ کی ذات اقدس پر قلم اٹھایا۔ اسی وجہ سے رائے بہادر لالہ پارس داس نے لکھا ہے کہ پیغمبر اسلام کی مقدس زندگی کے جس قدر حالات مجھے معلوم ہیں وہ تمام تر روح کو مسرور اور دل کو فریفتہ کرنے والے ہیں۔

(۳۶) ایک اور ہندی سیرت نگار بابو مکٹ دھاری پرشاد کہتا ہے :

''بے شک اسلام تلوار سے پھیلا لیکن اس کی تلوار لوہے کی نہیں بلکہ حضور ﷺ کے پاکیزہ عادت، اخلاق وعفوو درگزر کی تلوار تھی جس نے گردنیں نہیں کاٹیں بلکہ دلوں کو چھوا''۔ (۳۷)

سوامی لکشمی پرشاد نے لکھا ہے :

''دنیا کی ان جلیل القدر ہستیوں میں جن کے اسماء گرامی ہاتھوں کی انگلیوں پر شمار کئے جاسکتے ہیں محمد ﷺ کو ان میں خاص مقام حاصل ہے، اس لئے سب سے پہلے میں نے اس قابل تعظیم ہستی کی حیات مطہرہ کے حالات قلم بند کرنے کا شرف حاصل کیا''۔ (۳۸)

اسی طرح ماسٹر شنکر داس نے لکھا ہے کہ ''حضور ﷺ کی تعلیمات میں ہمیں بے حد خوبیاں نظر آتی ہیں ان کی تعریف سے چشم پوشی کرنا ہٹ دھرمی اور بدترین تعصب ہے''۔ (۳۹)

(۳) تیسری وجہ اعتراف حقیقت ہے کیونکہ طالب حق اور روشن ضمیر افراد جب مذہب اور سماج کی بندشوں سے بالاتر ہو کر محمد ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کرتے ہیں تو اعتراف حقیقت کے طور پر ان کا قلم بھی حرکت میں آتا ہے، بہرحال حقیقت آخر حقیقت ہے، جو اپنا اظہار چاہتی ہے۔ ڈاکٹر وید پرکاش نے حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے: میری تحقیق کے مطابق محمد ﷺ آخری نبی ثابت ہوئے۔ حضرت محمد ﷺ پر میں نے یہ کتاب حق کو ظاہر کرنے کے لئے لکھی ہے۔ (۴۰)

(۴) وحدت ادیان کا تصور (Concept) بھی سیرت کا محرک بنا، چنانچہ گوبند رام سیٹھی نے چارمینار کے نام سے جو کتاب تحریر کی وہ اسی سلسلہ کی کڑی ہے، یہ کتاب ۱۹۴۳ء میں قومی کتب خانہ ریلوے روڈ لاہور سے شائع ہوئی۔ یہ کتاب بھگوان رام، حضور ﷺ، حضرت عیسیٰؑ اور بابا گرونانک کے حالات وتعلیمات پر مشتمل ہے، جس میں سیرت کا مواد بھی ہے۔

(۵) مذہبی رواداری کے فروغ میں بھی سیرت پر ہندو مصنفین نے کتابیں لکھیں۔ جیسے مسز سروجنی نائیڈو ۱۸۷۹ء-۱۹۴۷ء نے حضور ﷺ کے کمالات کا اعتراف کیا، اور بابو کنج دلوائی کی کتاب، حضرت محمد ﷺ اور اسلام، برقی پریس

دہلی بدون سن۔اور مسٹر دیوان شرما کی دونوں کتابیں Our Indian Heritege اور The Prophet of the East اسی فکر کی حامل ہیں۔

(۶) ہندو مسلم اتحاد کی غرض سے بھی سیرت پر ہندو مصنفین نے کتابیں لکھی ہیں۔گیان چند جی کی کتاب ہندو مسلم اتحاد مطبوعہ تیج پریس دہلی اور لالہ ونی چند صاحب کپور پرچارک کی کتاب ''دنیا کا ہادیٔ اعظم غیروں کی نظر میں'' مقبول بکڈپو قادیاں ۱۹۲۸ء اسی جذبہ صادق کے تحت لکھی گئی ہیں۔

(۷) جہاں متعصب اور اسلام دشمن ہندوؤں نے محمد ﷺ کے خلاف کتابیں لکھیں، وہیں ان کی تردید میں حقیقت شناس اور غیر متعصب ہندو مصنفین نے بھی کتب سیرت تحریر کیں، بنا بریں یہ کہا جاسکتا ہے کہ مخالفت اور موافقت کے جذبہ کے تحت بھی ہندوؤں کے یہاں سیرت نگاروں کو فروغ حاصل ہوا۔

اس سلسلہ کی کتاب پروفیسر گوردت سنگھ دارا کی ''رسول عربی ﷺ'' مطبوعہ مجلس اردو ماڈل ٹاؤن لاہور (۱۹۴۱ء) اور بابو کنج دلوائی کی کتاب حضرت محمد ﷺ اور اسلام مخالفین ومعاندین کے جواب میں لکھی گئی ہیں۔

(۸) بے عمل، گمراہ اور متعصب اسوۂ رسولؐ سے نابلد مسلمانوں کو سیرت پاک کی یاد دہانی کی غرض سے بھی ہندوؤں نے سیرت پر خاصا وقیع کام کیا، چرن سرن مانک پوری کی سیرت پر کتاب رہبر اعظم اسی حسن مقصد کے تحت تحریر کی گئی ہے، مصنف کتاب نے لکھا ہے :

آج اسلام کی تبلیغ کی ضرورت غیر مسلموں سے کہیں زیادہ مسلمانوں کو ہے''۔(۴۱) اور رام سروپ کوشل کی کتاب پیام محبت اسی سلسلہ کی تصنیف ہے۔(۴۲)

(۹) عالم انسانیت کے لئے حضور ﷺ کے کارہائے نمایاں کے اثرات کا جائزہ لینے کے لئے بھی ہندو مصنفین نے وادیٔ سیرت میں قدم رکھا۔پروفیسر راما کرشنا راؤ کی کتاب The Prophet of Islam اس کی فکری نمائندہ ہے۔

(۱۰) بعض حضرات نے عناد وتعصب کی بنیاد پر محمد ﷺ کے خلاف کتابیں لکھیں جن میں سیرت کا مواد موجود ہے، مثلاً ستیارتھ پرکاش، از: دیانند سرسوتی اس کو اسٹیم پریس لاہور نے شائع کیا ہے، اس طرح مرتد ہونے والے مسلمان عبدالغفور (ہندی نام دھرم پال) نے مرتد ہوکر ترک اسلام کے موضوع پر اسلام کی مخالفت میں کتاب لکھی جس میں معاذ اللہ محمد کو ہدف تنقید بنایا گیا ہے، نیز پنڈت لیکھ رام کا رسالہ جہاد کی حقیقت، راہ نجات اور رام پال کی نخل اسلام اور تہذیب الاسلام میں مخالفانہ روش کو پیش کیا گیا ہے۔

(۱۱) مطالعہ تقابل ادیان ومذاہب کے فروغ کے حوالہ سے بعض ہندی مصنفین نے سیرت رسول ﷺ پر قلم اٹھایا۔ جیسے لالہ شام لال جی کی کتاب دنیا کے نو مذہبی ریفارمر مطبوعہ پین لال روڈ لاہور ۱۹۳۲ء اس کی واضح مثال ہے۔

(۱۲) مناظرہ کے جذبہ کے تحت بھی ہندی مصنفین نے سیرت پر کتابیں لکھیں، جیسے شام لال کی کتاب ''رد جہاد'' اور مولانا ثناء اللہ امرتسری کی کتاب جہادیوں کے جواب میں لکھی گئی۔ مہا کرشن کی رنگیلا رسول، اور راجپال نتھورام کی ہسٹری آف اسلام اس بیمار ذہنیت کی عکاسی کرتی ہیں۔

ہندو مصنفین نے سیرت رسول ﷺ کے موضوع پر بعض کتب کے اندر ایسا شاندار اور تحقیقی مواد جمع کیا ہے کہ جن پر حیرت وتعجب کا احساس ہوتا ہے، اس میں سے اکثر کا زمانہ انیسویں صدی کے اختتام کا ہے، بیسویں صدی کے نصف تک محیط ہے، چنانچہ یہ سلسلہ وقفے وقفے سے آج تک قائم ہے، یہ بھی بتادوں: یہی زمانہ آریہ سماجی تحریک کا تھا۔ اس دور میں ہندو مسلم اتحاد کی دیرینہ روایات کو پارہ پارہ کیا گیا جس کی تلافی کے لئے بعض حقیقت پسند ہندو مصنفین نے سیرت کی کتابیں لکھیں۔ Dr Margoliauth نے لکھا ہے ''محمد ﷺ کے سیرت نگاروں کا ایک طویل سلسلہ ہے جن کو ختم کرنا ناممکن ہے لیکن ان کی صف میں جگہ پانا باعث شرف''۔

ہندی مصنفین کی کتب سیرت میں تسامحات :

ذیل میں ہندو مصنفین کی کتب سیرت کا ناقدانہ جائزہ لینے کی سعی کی جائے گی، یہ حقیقت اپنی جگہ اٹل ہے کہ ہندو حضرات کی طرف سے مثبت انداز میں کی گئی سیرت نگاری کے بعض فن مباحث ایسے ہیں کہ ان کے مطالعہ کی گیرائی وگہرائی پر تعجب ہوتا ہے، اسی وجہ سے عبدالماجد دریابادی نے کہا ہے کہ ان کے حرف حرف سے عشق ومحبت کے آب کوثر کی بوندیں ٹپکتی ہیں اور ایک مسلمان کو ان کے اخلاص نیت پر رشک آنے لگتا ہے۔ (۴۳) اس کے ساتھ یہ بتانا بھی ضروری خیال کرتا ہوں کہ بعض ہندو مصنفین کی کتب سیرت ایسی ہیں جو مسلمانوں کے نظریات کے متصادم ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ انہوں نے پرائمری مراجع سے استفادہ نہیں کیا ہے، اور فن سیرت کی عدم واقفیت کی بناء پر انھوں نے اس جانب خامہ فرسائی کی ہے، بعض مقامات پر عقیدت میں مبالغہ آرائی بھی نظر آتی ہے۔

وہیں انہوں نے قیاس اور ذاتی رائے پر بھی انحصار کیا ہے، اور اہم بات یہ ہے کہ انہوں نے مغربی مصنفین سے بھی استفادہ کیا ہے جس کی بناء پر رطب ویابس قسم کی روایات شامل ہیں۔ ذیل میں ان تسامحات کا جائزہ لیا جارہا ہے۔

☆ حرم پر ابرہہ کی لشکرکشی کو بیان کرتے ہوئے رامیش راؤ مور لکھتا ہے کہ قریش اس وقت پہاڑوں پر چڑھ گئے اور ان کو یقین تھا کہ خانہ کعبہ کے بت اس کی حفاظت کریں گے۔ (۴۴)

جبکہ امہات کتب سیرت میں واقعہ کی نوعیت اس طرح بیان ہوئی ہے کہ عبدالمطلب اور ان کے ساتھی اگرچہ قریبی پہاڑیوں پر چڑھ گئے تھے لیکن ان کو خدا کی ذات پر یقین تھا کہ وہ خود اپنے گھر کی حفاظت کرے گا اس موقع پر عبدالمطلب نے خدا سے دعا بھی کی، ابن سعد نے طبقات میں ان اشعار کو رقم کیا ہے :

اللھم انّ المرء یمنع رَحلَہُ فامنع حِلالَکَ
لایغلبن صلیبھم ومحالھم غدوا محالَکَ
ان کنت تارکھم وقبلتنا فامر مابدالك (۴۵)

''الٰہی! مرد اپنی قیام گاہ کی حفاظت کرتا ہے پس تو اپنے گھر کی حفاظت فرما، ان کی صلیبیں اور قوت وشدت صبح کے وقت تیری قوت وشدت پر ہرگز غالب نہ آئے، اگر تو انہیں اور ہمارے قبلہ کو ایسے ہی چھوڑ دے تو معاملہ وہ ہوگا جو تجھ پر ظاہر ہے''۔

☆ آپ ﷺ کی پیدائش کے متعلق رامیش راؤ لکھتا ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت کی خبر سن کر آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب بہت خوش ہوئے اور آپ کو اٹھا کر کعبہ لے گئے اور بتوں کا شکریہ ادا کیا۔(۴۶)

جبکہ ماخذ سیرت میں مذکور ہے کہ عبدالمطلب نے خانہ کعبہ میں جا کر اللہ کے حضور دعا گو ہوئے اور اللہ کا شکریہ ادا کیا۔(۴۷)

☆ پنڈت سندر لال نے رضاعت کے متعلق لکھا ہے کہ آمنہ اتنی بیمار اور دکھی تھیں کہ وہ سات دن سے زیادہ دودھ نہ پلا سکیں۔(۴۸)

جبکہ کتب سیرت میں لکھا ہے کہ عرب کے دستور کے مطابق بچوں کو پیدا ہوتے ہی دیہات بھیج دیا جاتا تھا تاکہ وہاں کی آب وہوا سے بچہ قوی اور مضبوط ہو جائے اس دستور کے تحت محمد ﷺ کو بھی دایہ کے سپرد کیا گیا۔ (۴۹)

☆ اسی طرح شردھے پرکاش دیو کا نظریہ ہے کہ آپ ﷺ آٹھ برس کی عمر میں غار حرا جاتے تھے۔(۵۰)

ماخذ سیرت میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ آپ ﷺ ۳۵ رسال کی عمر میں غار حرا جاتے تھے اور بخاری شریف کی روایت کے مطابق تحنث (غور وفکر) کرتے تھے۔(۵۱)

☆ ڈاکٹر تاراچند نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ نے راہبوں سے تعلیم حاصل کی ہے۔(۵۲) کتب سیرت میں مذکور ہے کہ حضرت محمد ﷺ کی تعلیم کا دارومدار وحی الٰہی پر تھا۔ ہاں مستشرقین نے سفر شام میں نبی کریم ﷺ کی بحیرہ راہب کی آپ ﷺ سے ملاقات کو بہت اچھالا ہے اور یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ بحیرہ راہب سے آپ ﷺ نے تعلیم حاصل کی، تاراچند کی یہ فکر مستشرقین کی رہین منت ہے۔

☆ پہلی وحی کے سلسلے میں شردھے پرکاش نے عجیب بات لکھی ہے کہ بعض مسلمان یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ فرشتہ کوئی نہیں آیا صرف حضور ﷺ کے دل میں ہی القاء ہوا تھا اور خود بخود ان کی زبان سے سورۂ علق کی ابتدائی پانچ آیات نکل گئی تھیں۔(۵۳)

بلکہ یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ سبھی مسلمان یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اس موقع پر حضرت جبرئیل نے محمد ﷺ کو یہ آیات پڑھائی تھیں۔کتب احادیث اور مفسرین نے واضح طور پر لکھا ہے، نیز امام بخاری نے اپنی الصحیح میں کتاب بدء الوحی میں باقاعدہ ایک باب قائم کیا ہے ''باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ''۔

☆ اولین وحی کے نزول کے وقت کی حالت کو سندرلال نے اپنی بیمار ذہنیت کا ثبوت پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آپ ﷺ نے کہا تھا۔خدیجہ مجھے کیا ہوگیا ہے میں پاگل تو نہیں ہوگیا۔(۵۴)

جبکہ یہ بات صراحۃً غلط ہے کیونکہ کتب احادیث میں جو الفاظ منقول ہیں وہ یہ ہیں کہ حضرت خدیجہ سے فرمایا:"لقد خشیت علی نفسی" (۵۵) مجھے اپنی جان کا ڈر ہے۔

☆ جی ایس دارا نے قبول اسلام کے وقت حضرت علیؓ کی عمر سولہ سال لکھی ہے۔(۵۶) جبکہ اولین سیرت نگار ابن اسحاق نے حضرت علیؓ کی عمر دس سال۔(۵۷) زاد المعاد کے مصنف نے آٹھ سال۔(۵۸) اور ابن کثیر نے السیرۃ النبویۃ میں دس سال بتائے ہیں۔(۵۹)

☆ شعب ابی طالب کے متعلق پنڈت سندرلال اپنی کتاب حضرت محمد ﷺ اور اسلام میں لکھتا ہے کہ ابوطالب اور خاندان بنی ہاشم کے دوسرے لوگوں نے خود شعب ابی طالب میں جانے کا فیصلہ کیا۔(۶۰) ماخذ سیرت میں یہ مذکور ہے کہ قریش نے مسلمانوں کا معاشرتی مقاطعہ کر دیا تو بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کے سارے افراد مسلمان اور غیر مسلم سبھی شعب ابی طالب میں محصور ہو گئے تھے۔(۶۱)

☆ سفر طائف سے واپسی پر آپ ﷺ نے مطعم کی پناہ حاصل کی اور مکہ میں داخل ہوئے، کتب سیرت میں یہ تو مذکور ہے لیکن اگلے روز ہی اس پناہ سے نکل گئے اور آپ ﷺ نے حرم جا کر اعلان کر دیا کہ اب میں مطعم کی پناہ میں نہیں ہوں۔لہٰذا کوئی میری وجہ سے مطعم کو نہ ستائے لیکن شردھے پرکاش دیو نے حضرت محمد صاحب بانیٔ اسلام، سوامی لکشمن نے عرب کا چاند، جی ایس دارا نے رسول عربی، اور سیٹھی گوبند رام، چار مینار میں اس کا تذکرہ کیا ہے جو روایات سیرت کے خلاف ہے۔(۶۲)

☆ ہجرت کے متعلق شردھے پرکاش نے یہ بھی لکھا ہے آنحضرت ﷺ مکان کی پچھلی طرف سے کود کر ابوبکر صدیقؓ کے ہاں گئے۔(۶۳) ماخذ سیرت میں اس طرح کی کوئی روایت نہیں ملتی ہے بلکہ آپ ﷺ اپنے گھر کے دروازے سے قریش کی آنکھوں کے سامنے گئے اور کسی کو کچھ پتہ بھی نہ چل سکا۔(۶۴)

☆ رامیش راؤ نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ کی ہجرت پر اہل مکہ بہت خوش تھے۔(۶۵) اگر ہم کتب سیرت کا مطالعہ کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ قریش مکہ آپ ﷺ کی ہجرت سے بہت ناراض ہوئے۔کیونکہ انہوں نے دارالندوہ میں حضور ﷺ کو قتل کرنے کی سازش کی تھی، اور وہ اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے نہ صرف محمد ﷺ کی تلاش میں اطراف مکہ گئے بلکہ انہوں نے آپ ﷺ کی گرفتاری پر انعام واکرام کے ذریعہ لوگوں کو ترغیب دی۔اور انعام کے سو اونٹ رکھے جس کی طمع میں سراقہ بن جعشم نے پیچھا کیا۔(۶۶)

☆ دیوان چند شرما نے اپنی کتاب The Prophet of the East میں لکھا ہے کہ آپ ﷺ نے انصار کو حکم

دیا کہ وہ ایک ایک مہاجر کو اپنے ساتھ لے جائیں اور اپنی آدھی جائداد اس کو دیدیں۔(۶۷) ماخذ سیرت میں یہ مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے انصار اور مہاجرین کے مابین رشتۂ مواخات قائم کیا البتہ یہ حکم نہیں ملتا ہے کہ انصار مہاجرین کے ساتھ اپنی جائداد تقسیم کریں، اگرچہ انصار نے فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایسا کرنا چاہا لیکن مہاجرین نے پسند نہ کیا۔

☆ رامیش راؤ غزوۂ احد سے عبداللہ بن ابی کی اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ واپسی کو محمد ﷺ کا حکم قرار دیتا ہے۔(۶۸) مگر کتب سیرت میں مذکور ہے کہ عبداللہ بن ابی نے خود بہانہ بنا کر واپسی اختیار کی تھی کہ مدینہ میں رہ کر جنگ لڑنے کے بارے میں اس کی رائے نہیں مانی گئی اور اس کی رائے پر دیگر اصحاب رسول کو ترجیح دی گئی۔(۶۹)

☆ اسی طرح غزوہ احد کے موقع پر اسلامی لشکر سے راہ فرار اختیار کرنے پر عبداللہ بن ابی اور اس کے ہمنواؤں کو یہودی قرار دیا ہے۔(۷۰) جبکہ یہ منافقین کا ٹولہ تھا۔

☆ مقتولین بنی قریظہ کی تعداد میں خود اصحاب سیر کا اختلاف پایا جاتا ہے، بعض سیرت نگاروں نے (۶۰۰) اور بعض نے (۷۰۰) بیان کی ہے۔(۷۱) مگر شردھے پرکاش نے (۲۵۰) کی تعداد بتائی ہے جو کتب سیرت میں کہیں مذکور نہیں ہے۔(۷۲)

☆ ماخذ سیرت میں لکھا ہے کہ صلح نامہ حدیبیہ کی شرائط کے مطابق مکہ سے بھاگ کر مدینہ آنے والے مسلمانوں یا کافروں کو واپس کرنا ضروری تھا اس لئے جب ایک آدمی بھاگ کر مدینہ آیا تو آپ ﷺ نے اسے واپس کر دیا اسکا نام عتبہ بن اسید (ابوبصیر) تھا۔(۷۳) لیکن شام لال نے اپنی کتاب ''دنیا کے نو مذہبی ریفارمر'' میں اس شخص کا نام ابوبکر لکھا ہے جو کہ بالکل غلط ہے۔(۷۴)

☆ پنڈت سندر لال نے اپنی کتاب حضرت محمد اور اسلام میں آپ ﷺ کی ازواج کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت صفیہ یہودی تھیں اور محمد ﷺ سے شادی کے بعد بھی اخیر تک اپنے مذہب پر چلتی رہیں۔(۷۵) ماخذ سیرت میں مذکور ہے کہ حضرت صفیہؓ سے شادی کرنے سے پہلے ان پر اسلام پیش کیا جسے انہوں نے قبول کر لیا تھا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے ان سے شادی کی اور ان کی آزادی کو ان کا مہر ٹھہرایا۔(۷۶)

☆ شردھے پرکاش دیو اور جی ایس دارا کا خیال ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر جب ابوسفیانؓ اسلام کی دولت سے شرفیاب ہوئے تو ان کی اہلیہ ہندہ نے ان کو جوتیوں سے مارا۔(۷۷) ہاں ماخذ سیرت میں یہ تو ملتا ہے کہ ان کی بیوی نے انہیں برا بھلا کہا لیکن جوتی سے مارنے کی روایت کا یکسر وجود نہیں ہے، نیز ابوسفیان کی بیوی کا نام ہندہ ہے۔ اسی طرح بعض ہندو سیرت نگاروں نے ہندہ کو ابوسفیان کی بیٹی لکھ ڈالا ہے۔(۷۸) جب کہ یہ بات کسی پر مخفی نہیں ہے کہ ہندہ ابوسفیان کی بیوی تھی۔ یہاں ایک اور تسامح کیا ہے، وہ بعض مسلم سیرت نگاروں کے یہاں بھی ملتا ہے کہ ان کا نام ثویبہ تھا جبکہ ثویبہ دشمن اسلام ابولہب کی لونڈی کا نام ہے یہ ہی وہ خاتون ہیں جنہوں نے محمد ﷺ کو دودھ پلایا تھا۔(۷۹)

☆ محمد ﷺ کی نماز جنازہ کے متعلق پنڈت سندرلال نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے پڑھائی۔(۸۰) جبکہ تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ محمد ﷺ کی نماز جنازہ کسی نے یکجا طور پر نہیں پڑھائی بلکہ لوگوں نے مختلف جماعتوں کی شکل میں الگ الگ ادا کی۔(۸۱)

☆ ختم نبوت کے سلسلہ میں امر سنگھ نے اپنی کتاب ''تکذیب قادیانی'' میں حضرت عائشہؓ سے روایت بیان کی ہے:''قولوا انه خاتم النبیین ولاتقولوا انه لانبی بعده''(۸۲)''یہ کہو کہ وہ (حضور ﷺ) خاتم النبیین ہیں یہ نہ کہو کہ ان کے بعد کوئی نبی نہیں ہے''۔

حدیث کی تحقیق کرنے کے بعد پتہ چلا کہ اس کا شمار ضعیف حدیث میں ہوتا ہے،اس روایت کو کسی معتبر کتاب حدیث میں کسی بھی قابل ذکر محدث نے بیان نہیں کیا ہے۔البتہ تفسیر کی ایک کتاب درمنثور اور لغت حدیث کی کتاب تکملہ مجمع البحار سے اس کو نقل کیا جاتا ہے اس کی سند کا کچھ پتہ نہیں ہے۔(۸۳)

☆ پنڈت سندرلال نے آپ ﷺ کے معجزات کے حوالہ سے لکھا ہے کہ محمد ﷺ نے زندگی بھر کبھی کوئی کرامت، معجزہ یا چمتکار دکھایا اور نہ دکھاسکنے کا دعویٰ کیا۔(۸۴) ہاں یہ صحیح ہے کہ آپ ﷺ نے خود کہیں معجزہ دکھانے کا دعویٰ نہیں کیا لیکن آپ ﷺ سے کبھی معجزہ کا صدور نہیں ہوا یہ بات غلط ہے کیونکہ آپ ؐکی ذات سے بہت سے معجزات صادر ہوئے جن کا تذکرہ کتب حدیث میں جابجا موجود ہے۔

☆ شام لال نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ خدیجہؓ سے شادی کے بعد محمد ﷺ کے حالات زندگی کسی کو معلوم نہیں۔(۸۵) یہ ایسا تعصب اور جھوٹ ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں، یہ بات پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ آپ ﷺ کے حالات زندگی جتنے مفصل کتب تاریخ اور سیر میں موجود ہیں وہ کسی سے مخفی نہیں ہیں۔اس کا اعتراف مستشرقین بھی کرتے ہیں۔

اس مصنف نے یہ بھی لکھا ہے کہ نبوت اور رسالت کا خیال یا دعویٰ ایک ایسا خیال ہے جسے دنیا نے کبھی تسلیم نہیں کیا۔(۸۶) یہ خیال تعصب اور عناد کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے کیونکہ نبوت ورسالت کو تسلیم کرنے والے ہر دور میں موجود رہے ہیں۔

عصری اہمیت :

اس وقت دنیا میں بدامنی بے چینی اور فتنہ وفساد عروج پر ہے۔باہم اقوام دست وگریباں ہیں، ایک دوسرے کے مذاہب پر کیچڑ اچھالا جارہا ہے، اگر میں یہ کہوں تو بے جا نہ ہوگا کہ برصغیر میں مسلمانوں کی آمد کے بعد تاریخ کے مختلف ادوار اس بات پر شاہد عدل ہیں کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں مذہبی وسیاسی پرخاش ہمیشہ سے جاری رہی،کہیں سیاستدانوں نے اپنے مفادات کی خاطر اس کو ہوا دی اور مذہبی رہنماؤں کے منفی رویہ،عدم رواداری،عدم برداشت ،فرقہ واریت ،اور تعصب تنگ نظری نے فضا کو پوری طرح مسموم کردیا تھا،اور شدھی تحریک نے بھی برصغیر کی مخلوط آبادی کو پوری طرح آگ کی بھٹی میں جھلسا

دیا تھا۔ان حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے بعض عدل پسند اور اہل بصیرت غیر مسلموں نے یہاں کی اقوام کے مابین، مذہبی ہم آہنگی، انسان دوستی، خیر سگالی، باہمی تعاون، رواداری کی شمع کو روشن کیا اور پھر بحمداللہ اس جذبہ صادق نے نوع انسان کے درمیان اتحاد و اتفاق کی راہ ہموار کی۔

متذکرہ بالا سطور کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ "ہندو سیرت نگاروں کی کتابوں میں جو نقائص ملتے ہیں وہ عربی زبان سے عدم واقفیت اور مستشرقین کی کتابوں سے استفادہ کی بنیاد پر ہیں جو اس لئے ضروری ہے کہ ہم معاشرہ میں امن وامان قائم کریں اس کے لئے جہاں عملی اقدام کی ضرورت ہے۔وہیں تحریری شکل میں بھی غیر مسلم حضرات کی ان خدمات کو سراہیں جو انہوں نے پیش کیں۔اس سلسلے میں شدت نہیں بلکہ برداشت اور مثبت فکر کو فروغ دینا ہوگا، کیونکہ برداشت وتحمل، عدل و انصاف، اتحاد و اتفاق، ہماری شاندار تہذیبی روایت کا حصہ ہے۔

حواشی :

(۱) ابن منظور الافریقی: لسان العرب دار صادر بیروت ۱۹۹۰ء، ج:۱،ص:۳۸۹۔

(۲) تھانوی محمد اعلیٰ: کشاف اصطلاحات الفنون، سہیل اکیڈمی لاہور، ج:۱،ص:۶۶۴۔

(۳) لسان العرب، ج:۴،ص:۳۹۰۔

(۴) الزبیدی محمد مرتضیٰ: تاج العروس من جواہر القاموس، دار مکتبۃ الحیاۃ، بیروت، لبنان، ج:۳،ص:۲۸۷۔

(۵) وارث سرہندی، قاموس مترادفات، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۸۶ء،ص:۳۹۷۔

(۶) الجرجانی، علی بن محمد بن علی: التعریفات، دار الکتاب العربی، بیروت ۱۴۱۵ھ،ص:۱۶۳۔

(۷) محمد رواس قلعہ جی وحامد صادق قینبی: معجم لغۃ الفقہاء ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراتشی، س ن،ص:۲۵۳۔

(۸) اردو لغت تاریخی اصول پر، اردو لغت بورڈ کراچی، ۱۹۹۱ء، ج:۱۲،ص:۳۲۸۔

(۹) ایضاً۔

(۱۰) دائرۃ المعارف الاسلامیہ، دار المعرفہ، بیروت، ج:۱۲،ص:۴۳۹۔

(۱۱) محمد منیر غضبان، فقہ السیرۃ النبویہ، جامعہ ام القریٰ، مکہ مکرمہ،ص:۱۵۔

(۱۲) دہلوی، شاہ عبدالعزیز محدث: عجالہ نافعہ، مترجم وشارح، ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی، نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی، ۱۹۶۴ء،ص:۴۸۔

(۱۳) مبارکپوری، قاضی اطہر، تدوین سیر ومغازی، دار النوادر، لاہور ۲۰۰۰ء،ص:۱۳۔

(۱۴) احمد بن محمد، المصباح المنیر، المکتبہ العلمیہ، بیروت، ج:۱،ص:۲۹۹۔

(۱۵) ابن حجر، شہاب الدین، عسقلانی، فتح الباری، دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۶ء، کتاب الجہاد والسیر، باب فضل الجہاد والسیر وقول اللہ تعالیٰ۔

(۱۶) محمد طیب، ڈاکٹر وحافظ محمد اصغر، اصطلاح، سیرت کا جامع مفہوم، ایک تحقیقی جائزہ، رسالہ ضیائے تحقیق، شعبۂ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی فیصل آباد،ص:۶۲۔

(۱۷) غازی محمود احمد، ڈاکٹر: محاضرات سیرت، الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور، ۲۰۰۷ء،ص:۱۵۔

(۱۸) محمد منیر غصبان، فقہ السیرۃ النبویہ، ص: ۱۳۔
(۱۹) داناپوری، عبدالرؤف، اصح السیر، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ص: ۸۔
(۲۰) ایضاً۔
(۲۱) ایضاً۔
(۲۳) ایضاً۔
(۲۴) ایضاً۔
(۲۵) ایضاً۔
(۲۶) ایضاً۔
(۲۷) ایضاً، ص: ۹۔
(۲۸) اصطلاح سیرت کا جامع مفہوم، ایک تحقیقی جائزہ، ص: ۶۴۔
(۲۹) شبلی نعمانی، وسید سلیمان ندوی، سیرت النبیؐ، الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور، ص: ۲۴-۸۹۔
(۳۰) اصح السیر، ص: ۹۔
(۳۱) رگ وید منترا، سوکت، ص: ۱۰۶۔
(۳۲) شمس نوید عثمانی، اگر اب بھی نہ جاگے، ص: ۱۳۰۔
(۳۳) رگ وید، ج: ۱، ص: ۱۲۔
(۳۴) رگ وید، ج: ۱، ص: ۱۶۳۔
(۳۵) اتھروید، باب ۲۰، سوکت: ۱۲۷۔
(۳۶) کتاب رائے بہادر کی نعت، برقی پریس، دہلی ۱۹۲۸ء، ص: ۵-۶۔
(۳۷) جگت مہارش، دفتر اشاعت سیرت مصری شاہ لاہور، ص: ۲۹۔
(۳۸) سوامی لکشمن، آفتاب حقیقت المعروف عرب کا چاند، دارالکتب سلیمانی قصبہ روڑی ضلع عصا، ۱۹۳۲ء، ص: ۱۴۔
(۳۹) رسالہ، مولوی، دہلی۔ ۱۳۸۱ھ تقوس رسول نمبر، ج: ۴، ص: ۴۶۷۔
(۴۰) وید پرکاش، ڈاکٹر، نراشنس وانتم رشی، اردو ترجمہ سیرت النبی کی پیشین گوئیاں، دارالکتاب لاہور، ۲۰۰۴ء، ص: ۱۷-۱۸۔
(۴۱) مانک پوری، رہبر اعظم، یونین پریس ریلوے روڈ لاہور ۱۹۴۳ء، ص: ۸۔
(۴۲) مقالہ سیرت نگاری میں ہندی مصنفین کا حصہ، جنرل آف اسلامک ریسرچ، ۲۰۱۳ء، مقالہ نگار محمد ادریس لودھی، ونجم ران، ص: ۱۱۸۔
(۴۳) دارا، گوردت سنگھ، رسول عربی، مجلس اردو ماڈل ٹاؤن لاہور، ۱۹۴۱ء، ص: ۱۱۔
(۴۴) مقالہ ہندوؤں کی سیرت نگاری کا ناقدانہ جائزہ، مقالہ نگار، حافظ محمد نعیم، ص: ۲۷۷۔
(۴۵) ابن سعد، ابوعبداللہ محمد، الطبقات الکبریٰ، دار صادر بیروت لاہور، ج: ۱، ص: ۹۲۔
(۴۶) ہندوؤں کی سیرت نگاری کا ناقدانہ جائزہ، ص: ۲۷۸۔

(۴۷) ایضاً،ص:۱۰۳۔
(۴۸) سندرلال،حضرت محمداور اسلام،ساؤتھ ملاکہ الہ آباد ۱۹۴۲ء،ص:۳۲۔
(۴۹) علامہ شبلی نعمانی،سیرۃ النبی،ج:۱،ص:۱۱۵۔
(۵۰) شردھے پرکاش دیو،حضرت محمد ﷺ صاحب بانیٔ اسلام،یونین اسٹیم پریس لاہور ۱۹۱۳ء،ص:۲۰۔
(۵۱) ہندوؤں کی سیرت نگاری کا ناقدانہ جائزہ،ص:۲۷۸۔
(۵۲) Tara Chand,Influence of Islam an India Culture Alhumara Art Prin ters Lahore,1978.P50
(۵۳) شردھے پرکاش دیو،حضرت محمد صاحب بانیٔ اسلام،ص:۲۹۔
(۵۴) سندرلال،حضرت محمداور اسلام،ص:۱۵۳۔
(۵۵) صحیح البخاری،کتاب بدء الوحی،باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ۔
(۵۶) دارا،رسول عربی،ص:۹۔
(۵۷) نقوش رسول نمبر،ج:۱۱،ص:۱۴۰۔
(۵۸) ابن قیم،ابوعبداللہ الجوزی،زاد المعاد فی ھدی خیر العباد،مصطفی البابی والحلبی،مصر،ج:۲،ص:۴۳۔
(۵۹) ابن کثیر،السیرۃ النبویہ،ج:۱،ص:۴۳۰-۴۳۱۔
(۶۰) سندرلال،حضرت محمد ﷺ اور اسلام،ص:۶۹۔
(۶۱) ابن ہشام،عبدالملک،السیرۃ النبویہ،المصطفی البابی الحلبی،ج:۱-۲،ص:۳۵۱۔
(۶۲) لکشمن پرشاد،سوامی،عرب کا چاند،ص:۱۶۳،حضرت محمد صاحب بانیٔ اسلام،ص:۵۰،دارا،رسول عربی،ص:۸۳،سیٹھی گوبندرام،چارمینار،ص:۱۴۳۔
(۶۳) شردھے پرکاش دیو،حضرت محمد ﷺ صاحب بانیٔ اسلام،ص:۵۸۔
(۶۴) طبری،محمد بن جریر،تاریخ الرسول والملوک،دار المعارف مصر ۱۹۶۱ء،ج:۲،ص:۳۷۳۔
(۶۵) مقالہ،ہندوؤں کی سیرت نگاری کا ناقدانہ جائزہ،ص:۲۷۹۔
(۶۶) ابن سعد،الطبقات الکبریٰ،ج:۳،ص:۱۸۵۔
(۶۷) Sharma, Diwan Chand, The Prophets of the East, Langmans Green and co, Ltd 1945, P125.
(۶۸) مقالہ،ہندوؤں کی سیرت نگاری کا ناقدانہ جائزہ،ص:۲۸۰۔
(۶۹) ابن سعد،دار الطبقات الکبریٰ،ج:۲،ص:۳۹۔
(۷۰) شردھے پرکاش دیو،حضرت محمد صاحب بانیٔ اسلام،ص:۷۴۔
(۷۱) تاریخ طبری،ج:۲،ص:۵۸۸۔
(۷۲) شردھے پرکاش دیو،حضرت محمد ﷺ صاحب بانیٔ اسلام،ص:۲۹۔

(۷۳) ابن قیم زاد المعاد، ج:۲،ص:۱۳۰۔
(۷۴) ستیارتھی، شام لال، دنیا کے نو مذہبی ریفارمر، جارج سٹیم پریس لاہور، ۱۹۱۷ء،ص:۱۸۶۔
(۷۵) سندر لال، حضرت محمد اور اسلام،ص:۱۷۱۔
(۷۶) تاریخ طبری، ج:۳،ص:۱۶۶۔
(۷۷) حضرت محمد صاحب بانیٔ اسلام،ص:۱۱۶۔
(۷۸) Narayan, B.K, Muhammad the Prophet of Islam Lancers Publishers, New Delhi 1978, P:79-119.
(۷۹) جنڈ ہوک، گورانداپا، حیات محمد، چمن لال، پبلشرز موہن لال روڈ، لاہور، ۱۹۳۲ء،ص:۱۲۔
(۸۰) سندر لال، حضرت محمدؐ اور اسلام،ص:۱۸۲۔
(۸۱) ابن سعد، ج۲،ص:۲۸۸۔
(۸۲) امر سنگھ، تکذیب قادیانی،ص:۲۔
(۸۳) مودودی، ابو الاعلیٰ تفہیم القرآن، اسلامک پبلشرز لاہور، ج:۴،ص:۱۴۴۔
(۸۴) سندر لال، حضرت محمدؐ اور اسلام،ص:۶۵۔
(۸۵) ستیارتھی، شام لال، دنیا کے نو مذہبی ریفارمر،ص:۱۷۵۔
(۸۶) ایضاً،ص:۱۷۲۔

✵ ✵ ✵ ✵ ✵ ✵ ✵ ✵ ✵ ✵

ضروری اعلان

مدت خریداری معلوم کرنے کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ آپ کے نام و پتہ کے اوپر جہاں مثلاً 2730/08(Upto Dec. 2017) لکھا رہے، اس کا مطلب ہے کہ آپ کا خریداری نمبر 2730/08 ہے اور Upto Dec. 2017 کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری دسمبر ۲۰۱۷ء میں ختم ہوگئی ہے، آپ کے ذمہ ۲۰۱۸ء کا زر تعاون باقی ہے۔

لہٰذا رقم بھیجتے وقت اپنا خریداری نمبر اور پورا پتہ لکھنا نہ بھولیں۔ جو حضرات چیک یا ڈرافٹ کی شکل میں رقم بھیجنا چاہیں ــــ تو اس پر صرف "Darul Esha'at" تحریر کریں۔

A/c No. : **1271488319**, A/c Name : **DARUL ESHA'AT**

IFSC Code : **CBIN-0282779**

Central Bank of India, Branch: Anisabad, Patna-800002 (Bihar)

Tel : (0612) 2250238

ــــ سرکولیشن منیجر

حضرت آسی غازی پوری اپنے فکروفن کے آئینے میں

● ڈاکٹر سید شمیم احمد گوہر قادری ابوالعلائی ــــ سجادہ نشیں خانقاہ حلیمیہ، نیا جحرہ چک، الہ آباد

ہر شاعری اپنے عہد کی ترجمان، عصری تقاضوں کی امین اور داخلی وخارجی نشیب وفراز کی مظہر ہوتی ہے۔ رجحان و میلان اور متصورانہ دائروں میں جس قدر وسعت وکشادگی ہوگی یا ذہنی اجالوں میں جس قدر ڈوب جانے کا ظرف ہوگا، شاعری نئی نئی نعمتوں سے ہم آہنگ ہوتی جائے گی، سچا شاعر تجربوں اور مشاہدوں کی گرفت سے کبھی الگ نہیں رہتا، فکرنواز تیور اور معنی خیز اسلوب خود بتادیتے ہیں کہ شاعر نے آزمائشوں کی منزل سے گزرنے، قلب وجگر کو آنچ میں تپانے اور خون جگر نچھاور کرنے میں کہاں تک کامیابی حاصل کی ہے۔ تقلید وترجمانی کی نبض پر انگلی رکھتے ہوئے یہ احساس کرنا کہ تلاش وشناخت کی راہیں کس طور پر طے ہورہی ہیں، یا سچائیوں کے نمونے کس سطح پر ظاہر ہو پارہے ہیں ہر شاعر کی صلاحیت سے باہر ہے۔ تجربات ومشاہدات کے دائرے اتنے محدود اور دیدہ ورانہ پیش رفت کے زاویے اتنے تنگ نہیں کہ ہر شاعر کی فکری رفتار ہر سمندر کو پار کرسکے، تھوڑی سی شعوری بساط اور مختصر سی تقلیدی باریابی سے بیشتر مراتبِ معیار ووقار کا تعین نہیں ہوتا، ظرف وشرف کے زیر سایہ احساسات و جذبات کو معتبر وموقر بنانا بڑی سعادت کی بات ہے، افکار ونظریات کا ہر طرف دریا بہہ رہا ہے، ہر طرف سیلاب جاری ہے، اسی سیلاب سے ہیرے موتی کو نکالنا فتح یابی کی نمایاں علامت ہے۔ شاعری ہماری زندگی کا اہم ترین حصہ بن چکی ہے، صرف دو مصرعے ہماری زندگی کو خوش گوار بھی بنا سکتے ہیں، ہماری زندگی میں ہیجان بھی پیدا کرسکتے ہیں۔ اس کا لب ولہجہ سینے کو تڑپا بھی سکتا ہے، اور غم واندوہ کی زنجیروں میں جکڑ بھی سکتا ہے۔ اشعار کے لطیف اشارے وجد کرنے کا سلیقہ بھی عطا کرتے ہیں، اور حسن و جمال کی اداؤں میں کھو جانے کا موقع بھی دیتے ہیں، اس کے ہر زاویے کے معائنہ ومحاسبہ کا شعور صرف دل والوں کے پاس ہوتا ہے، دل رکھتے ہوئے جو دھڑکنا نہ جانے، وجد کرنا نہ جانے اور آتش عشق میں جل جانا نہ جانے، اسے کون دل والا کہہ سکتا

ہے۔ بڑی شاعری کے تعلق سے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ مشاہدہ ومعائنہ کا عمل جب تک شاعر کا خود تابع نہ بن جائے پیکر نوازی کا شعلہ جب تک پیکر تراشی کے سانچے میں نہ ڈھل جائے، بڑی شاعری کے یادگار تحفے سامنے نہیں آپاتے۔ کامیاب شاعری کے یہی تقاضے، تجزیہ وتحلیل کی دعوت دیتے ہیں کہ احوال وکوائف کی عکاسی سماج ومعاشرہ کی عقدہ کشائی، داخلی وخارجی عناصر کی ترجمانی، حقیقت ومجاز کی رتبہ شناسی اور عشق ومحبت کی پاسداری میں شاعر کہاں تک منزلیں طے کر پایا ہے، ورنہ بہ صورت دیگر ہر قدم پر بے اثری کی خاک چاٹنے والی شاعری تجزیہ وتحلیل کی متقاضی نہیں ہو پاتی۔ شاعری اگر دل کی آواز ہے تو زندگی کی صدائے بازگشت بھی، شاعری اگر باعث راحت وسکون ہے تو عمر بھر تڑپانے والا راز بھی، کبھی یہ حقیقت کے روپ میں ضمیر وخمیر کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتی ہے، کبھی آہنگ مجازی کی بھینی بھینی خوشبوؤں میں سنگ دریا پر سر پٹکنے پر مجبور کر دیتی ہے، اس کے بے شمار پہلوؤں کے سمندر میں تصورات وخیالات کی لہروں کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔

دنیائے شعر وادب میں استاد سخن اور سرخیل شعراء حضرت آسی غازی پوری (علیہ الرحمہ) کی شعری عظمت اور انفرادی حیثیت سے کون واقف نہیں۔ خراج تحسین اور نذرانۂ مدح ووصف کا سلسلہ برسوں سے جاری ہے، ممتاز ومعروف ادباء وشعراء کی جو جماعت سامنے آئی ہے اس نے آپ کی تبحر شعری اور تعمق فکری کو تسلیم کیا ہے، حضرت آسی کا دیوان ''عین المعارف'' تخیلی بلاغت اور فکری عظمت کی کس منزل پر ہے، کون بتائے، خود فرماتے ہیں :

شعر اور سرغیب یقینا یہ میں نہیں
روح القدس ہے یا کرم کردگار ہے

فکر وفن کی وسعت پذیری اور جدید نظریات کی حاویت ثابت کرتی ہے کہ حضرت آسی جس تخیلی سفر پر نکل پڑے جمال وکمال اور رنگ وآہنگ کے جلوے بکھیر کر رکھ دیے۔ ہم عصر انبوہِ اساتذہ نے آپ کی شاعری کو ہمیشہ نگاہِ قدر سے دیکھا، شاعری کے بیشتر مستند اسالیب اور اسرار حقیقت ومجاز کے دریا کو پار کرنے میں طبع آزمائی اور مشق سخن کا حق ادا کر دیا، جس تصور کو باندھا، جس احساس کی عکاسی کی، جامعیت وپختگی کا لباس پہنایا۔ اردو شاعری پر ایک لمبا عرصہ گزر چکا ہے، ایک سے ایک اساتذۂ فن پیدا ہوئے اور تمام اصناف سخن میں فکر وفن کے بے شمار پیمانے پُر کئے۔ صرف میرؔ وغالبؔ ہی کا اردو شاعری پر احسان نہیں۔ میدان غزل میں ان دونوں شاعروں کی انفرادیت وبرتری یقینا برقرار ہے، لیکن ان کے انفرادی وقار ووزن تک پھر کوئی شاعر پہنچ نہیں سکا، یہ خیال مہمل ہے۔ پورے طور پر میرؔ وغالبؔ بن کر دکھانے کی مثال تو شاید نظر نہیں آتی، تاہم ایسے متعدد شعراء کی نشاندہی کی جاسکتی ہے، جنہوں نے اپنی شاعری میں میرؔ وغالبؔ کی محفل میں افکار جدیدہ اور فن بلیغ کا جم کر مظاہرہ کیا ہے، اگر بڑی شاعری کی علامت یہی دو شعراء ٹھہرتے ہیں تو ایسی علامتوں سے ''عین المعارف'' کا ورق ورق روشن دکھائی دیتا ہے۔

شعر وہ نور سے لبریز پڑھے آسیؔ نے ❁ حلقۂ اہل سخن ہالۂ مہتاب ہوا

میرؔ کے تعلق سے فرماتے ہیں :

اس طرح درد سے لبریز جو تقریر نہ ہو ❁ سخن آسیؔ شیدا غزلِ میرؔ نہ ہو

مماثلت و مطابقت کی روشنی میں چند مندرجہ ذیل اشعار کا معیار و اندازہ ملاحظہ کریں، جو کتنی سچائی کے ساتھ غالبؔ کے قریب سے گزرتے ہوئے اپنی عظمت کا نیا پیمانہ پیش کرتے ہیں۔ حضرت آسیؔ کے فکر وفن کے ہر شعبے میں برتری کی تصویر نظر آتی ہے :

رتبہ پایا ہے محبت میں تو اب دل کو سنبھال ❁ گر پڑے گا صفت برق جو بیتاب ہوا

قابل سجدہ ہوا جھک کے ملا جو کوئی ❁ قد خم گشتہ میں پیدا خم محراب ہوا

ظرف اگر پائے تو نعمت سے کبھی سیر نہ ہو ❁ پُر نہ دریا سے کبھی کاسۂ گرداب ہوا

ترا سر گشتۂ الفت یہ روتا ہے اسیری میں ❁ کہ بنتا ہے بھنور میں حلقۂ زنجیر پانی میں

ہر موج نفس سینے میں اک قلزم خوں ہے ❁ کیا میرے تصور میں کچھ افسانۂ دل تھا

ڈھائی جائے قصر چرخ ہستیٔ غیر کی بنا ❁ کشتۂ امتیاز ہوں دیدہ اشکبار کا

اسی خط سے سمجھ لو کیسی ظلمت ہے جدائی میں ❁ سواد روز فرقت ہے جو حل ہے روشنائی میں

ریگزار صد امید و یاس تھا ہر چاک دل ❁ داغ غم وہ دل ہی تھا یا نقش پائے جادہ تھا

سجن مومن کے یہ معنیٰ تھے کہ تا قید حیات ❁ پاؤں زنجیر میں دل زلف گرہ گیر میں تھا

حسرت عاشق و امید عدو بسمل ہوں ❁ کاٹ اتنا بھی نہ ان کے دم شمشیر میں تھا

کون ہو منت کش تدبیر اے وقت شعور ❁ کیا نہیں ہے اب وہ ضامن رزق کا بچپن میں تھا

کس کے پیکان دل افزا کا، سیا تھا اس نے زخم ❁ جوش آب زندگانی چشمۂ سوزن میں تھا

متاع گرمیٔ بازار جاں ہے ❁ وہ برق خرمن حاصل ہمارا

وہ جلوۂ شعلہ تو میں کاہِ ناتواں اے قیس ❁ تجھے فراق نے مجھ کو وصال نے مارا

تیرے کوچے میں جسے ہو ہوس حور و قصور ❁ کس جہنم میں اسے حرص و ہوا نے بھیجا

اور کر دیتی ہے بسمل نگہ لطف اس کی ❁ رحم آتا ہی کسی دن جو ستم گر ہوتا

شکل ابرو، مہ نو میں کہاں وہ جوہرِ قتل ❁ کیا فلک بھی مرے قاتل کے برابر ہوتا

سنگ دل جو رات سن کر قائل تاثیر تھا ❁ شعرِ آسیؔ تھا کہ کوئی نالۂ شب گیر تھا

یار تک پہنچا تو میں لیکن فنا ہونے کے بعد ❁ جادۂ راہ طلب تھا یا دمِ شمشیر تھا

کرنا ہے بزمِ شعر میں وصفِ دہاں مجھے ❁ دم بھر کو آج کر دے خدا غیب داں مجھے

رات اتنا کہہ کے پھر عاشقِ ترا غش کر گیا ❁ جب وہی آتے نہیں میں آپ میں آتا ہوں کیوں

تنگ ظرفی عدوئے ہستیٔ فانی ہے دیکھ اے دل ❁ ہزاروں بلبلے دن رات پانی پر ابھرتے ہیں

علاوہ ماہ پیکر اپنی آغوشِ تمنا میں ❁ مرا پائے طلب بھی صورتِ افلاک چلتا ہے

حضرت آسی کے دیوان کا مطالعہ کرتے جائیے اور میرؔ و غالبؔ کے تناظر میں سر دھنتے جائیے، کہنے والا یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ سطحِ غالب کے چند اشعار تو ہر اچھے شاعر کے ہاں مل سکتے ہیں، تو کیا سب غالبؔ بن جائیں گے، یہ نظریہ مہمل حضرت آسی پر صادق نہیں آتا۔ مثال کے طور پر ایسے چند اشعار نہیں، بلکہ ایسے اشعار کا دیوان میں بہاؤ موجود ہے۔ حضرت آسی نے غالب کو سامنے رکھ کر استادانہ فن کا مظاہرہ نہیں کیا، اور نہ ہی غالب کی کسی زمین پر طبع آزمائی کی کوشش کی، اپنی ذاتی آگ میں جلتے اور اپنے دریائے فن میں غوطہ لگاتے ہوئے جس مزاج و معیار کے موتی تلاش کرتے تھے، وہ خود بہ خود میرؔ و غالبؔ اور اخترؔ شیرانی کے رنگ میں ڈھلتے گئے۔

حضرت آسی اپنے ہم عصر اساتذہ کی جماعت میں بلاشبہ امتیازی و انفرادی حیثیت کے حامل ہیں۔ شعر و ادب کے سچے خدمت گاروں میں آپ کا نام سرفہرست ہے، جو تلاش و رسائی کے ہر جوہر اور ہر گُر سے واقف ہیں، وہ خیال کو بڑے علمی اور موثر طور پر واضح کرتے ہیں، تہہ دار صلاحیتوں اور فکری بلاغتوں کے اجالے دور تک نظر آتے ہیں، اضافات و تراکیب اور فارسی آمیز اسلوب کی جامعیت اور دیدہ ورانہ حلاوتوں کی کثرت آپ کی شاعری کی روح ہے، بے لوث اور بے ساختہ رنگِ ہنر کی چھاپ سے کوئی کلام خالی نہیں۔ لطافتِ تخیلات اور خمارِ تصورات کے بہتے ہوئے دریا میں حقیقت و مجاز کی بے شمار لہریں نظر آتی ہیں۔ ہر تلاش، باوقار پیکر کا مظہر اور ہر جستجو پُر خلوص آگہی کی امانت ہے۔

قالب نظم میں جو پھونک دے جاں اے آسیؔ
نہ وہ عیسیٰ ہیں نہ موسیٰ وہ ہمارا دم ہے

اس میں کوئی شک نہیں کہ وابستگی حقیقت و مجاز اور معرفتِ راز و نیاز کے آئینے میں ہر مصرع نگینہ نظر آتا ہے، اور ہر شعر نئی مہارت کا ہیرا دکھائی دیتا ہے، حضرت آسی نے ثابت کیا ہے کہ کرم خوردہ شعری رفتار اور تقلیدی نشیب کی تاریکیوں میں کوئی بھی

شاعر بڑی شاعری کا پتہ نہیں ڈھونڈ سکتا اور نہ ہی اشعارِ متواردہ کے ہجوم پر خیر خواہی کی امید رکھ سکتا ہے، جب تک احساسات و جذبات کی ترجمانی میں عطیۂ رموز اور ذہنی طہارت کی خوشبو شامل نہ ہوگی، شاعری کبھی یادگار نہیں بن سکتی ہے، یہی وجہ ہے کہ ہر موضوع اور ہر پہلو پر حضرت آسی نے طبع آزمائی کا حق ادا کرتے ہوئے بلیغ کارناموں کے کثیر اثاثے بکھیر کر رکھ دیئے۔

''عین المعارف'' کا بیشتر حصہ اگر چہ مجازی و جمالی رنگ میں ڈوبا ہوا ہے اور یادِ محبوب، دیدِ محبوب، تمنائے محبوب، درِ محبوب، کوئے محبوب اور فراقِ محبوب کے تناظر میں واردات قلبی اور اضطراب ذہنی کا سیلاب دکھائی دیتا ہے، تاہم اس لمبے سفر کے باوجود دامن حقائق ومعارف سے کبھی غافل نہیں رہے، ایسی راہوں سے بھی شاعری گزرتی رہی، جہاں مجاز کا کوئی دخل نہیں، جہاں خود نمائی سے کوئی تعلق نہیں۔ طہارت قلب ونظر کے آئینے میں شاعر کا مذہبی وتہذیبی رنگ بڑے نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ مناجات الٰہی اور خدا کی کبریائی سے اگر ایک طرف شاعر کا دل منور ومجلّٰی دکھائی دیتا ہے تو دوسری طرف ہر شئ میں نورِ الٰہی کو دیکھنے والی چشم بینا کی کیفیت کا بھی پتہ چلتا ہے، عقیدت ومحبت کی خوشبوؤں میں بسے ہوئے ان چند اشعار سے اندازہ لگتا ہے کہ شاعر کو نورِ الٰہی اور جلوۂ حق کی عظمت کہاں نظر نہیں آتی۔

وہی آتا ہے ہر طرف کو نظر ❁ دیدہ، محوِ خیال ہے اس کا

اسرار ترے معدن انوار تھے جس میں ❁ مسجد تھی نہ کعبہ، وہ نہاں خانۂ دل میں

نہیں ملتی ہے کسی چیز سے وہ نور کی شکل ❁ دھیان کرتے ہیں جو اس نور خدا کی صورت

یہ معمہ نہیں کھلتا اے شیخ ❁ بت میں ہے نورِ خدا کیا باعث

بجز تمہارے کسی کا وجود ہو یہ محال ❁ مگر تمہیں نظر آتے ہو ماسوا ہو کر

مانگوں جو میں بہشت تو دوزخ نصیب ہو ❁ تیرے سوا ہو کچھ بھی اگر مدعائے دل

زہد وتقویٰ وصلاح وورع وحسنِ عمل ❁ کچھ نہیں مجھ میں مگر کیا تری رحمت بھی نہیں

سوا تیرے نہ مائل ہو کسی پر وہ طبیعت دے ❁ تری الفت ہو تیرا عشق ہو تیری محبت ہو

ہوں گنہگار مگر حسرت دیدار نہ پوچھ ❁ جلوہ تیرا ہو تو دوزخ بھی ہے جنت مجھ کو

ان آنکھوں کو جب سے بصارت ملی ہے ❁ سوا تیرے کچھ میں نے دیکھا نہیں ہے

اس نوعیت کے حمدیہ اور عارفانہ متصوفانہ کلام کی جلوہ گری شاعر کے مذہبی وصوفیانہ منصب اور اعلیٰ ظرفی کو واضح کرتے ہوئے شریف النفسی کا اظہار کرتے ہیں۔ جا بجا ایسے ایمان افروز اشعار کی خوشبوؤں سے دیوان معطر ہے۔ ''عین المعارف'' اگر چہ

موضوعاتی و پابند تخیلات ونظریات پر مبنی نہیں کہ اسے مذہبی اور اخلاقی موضوع کا حامل سمجھا جائے، مجموعی طور پر یہ دیوان آزاد تصورات کا ترجمان وآئینہ دار ہے، تاہم شاعر نے عشق حقیقی اور حب روحانی پر ایمان نچھاور کرتے ہوئے حمدیہ اشعار کی طرح بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی بطور خاص خراج مدح وثنا پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے، گویا بزم سخن کو عشق و عقیدت کے چراغ سے محلّٰی کیا۔ نعتیہ اشعار کا مطالعہ کرنے پر اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت آسی کے دل میں وفور عشق اور بیتابیٔ محبت کا کتنا قیمتی سرمایہ ہے، اور ان کا جذبہ والہانہ کتنی بلندی پر فائز ہے۔ اشعار شہادت دیتے ہیں، زندگی صرف اس لیے ہے کہ آقا پر نثار کر دی جائے، اسیر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم بن کر تا زندگی ان کا وظیفہ پڑھتے رہا جائے، اور تمام نیک حوصلوں کو ان کے پائے ناز پر نچھاور کر دیا جائے۔ اس مقدس شاعری سے بڑھ کر کوئی شاعری نہیں، جس میں جمال مصطفیٰ، کمال مصطفیٰ، اختیارات مصطفیٰ، معجزات مصطفیٰ اور معراج مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر ہو اور لمحہ لمحہ دیدار مدینہ کی آرزو بیقرار کرتی ہو۔ نظر کرم اور چشم التفات کی بارگاہ رحمت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں اشکوں کی سوغات پیش کرتے ہوئے حضرت آسی نے شفاعت ومغفرت، احساس معصیت اور التجائے عافیت کے موضوع پر ایک سے ایک ہیرے موتی لٹائے ہیں۔ نعتیہ شاعری کی روایت اور اس کی ہمدردی میں مزید فروغ دیتے ہوئے موصوف نے اچھے اشعار کہے ہیں، مگر نعتیہ شاعری کے سفر کو دور تک نہیں جاری رکھ سکے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں :

دل شیدا ہے بیمار محمد ❁ اسیر زلف خمدار محمد

یہ کلام ۹/اشعار پر مشتمل ہے۔

کہاں گلشن کہاں روئے محمد ❁ کہاں سنبل کہاں موئے محمد

یہ کلام ۷/اشعار پر مشتمل ہے۔

پیش نظر نہیں گل رخسار مصطفیٰ ❁ نالاں نہ کیوں ہو بلبل گلزار مصطفیٰ

یہ کلام ۹/اشعار پر مشتمل ہے۔

اے سر تخلیق آدم صلی اللہ علیہ وسلم ❁ اے نور خلاق عالم صلی اللہ علیہ وسلم

اس نعتیہ غزل میں ۹/اشعار شامل ہیں گویا عین المعارف میں صرف چار پانچ نعتیہ غزلوں کا پتہ چلتا ہے، بطور نمونہ چند نعتیہ اشعار اس طرح ہیں :

نہیں اپنے گناہوں کا مجھے غم ❁ میں آسی ہوں گنہگار محمد

اخیر وقت ہے آسی چلو مدینے کو ❁ نثار ہو کے مروتربت پیمبر پر

مجھ سے مجرم کے لیے خلد بریں ❁ مہربانی ہے رسول اللہ کی

وہاں پہنچ کے یہ کہنا صبا سلام کے بعد ❁ کہ تیرے نام کی رٹ ہے خدا کے نام کے بعد

تاریکیٔ لحد سے دہلتے تھے عمر بھر ❁ ہر گوشۂ لحد میں ہے انوار مصطفیٰ

خوش ہو آسی کہ لحد تیرا بنا ❁ خاک پائے احمد مختار سے

عجب حسرت سے آسی کہہ رہا تھا کل مدینے میں ❁ شفاعت ہوگی پہلے حشر میں یا مصطفیٰ کس کی

شعرائے متقدمین ہوں یا متاخرین، بیشتر شعراء واعظین پر طنز کرنے سے کبھی نہیں چوکے، اس موضوع پر کثیر اشعار کہے جاتے رہے، اکثر واعظین کی بابت یہ بات کھل کر کہی جاتی رہی کہ یہ نصیحت تو کرتے ہیں، غیرت وحمیت کی یاد دلاتے ہیں اور خوف الٰہی کا درس بھی دیتے ہیں، مگر خود عمل نہیں کرتے۔ ایسے طنزیہ اشعار کی رسم حضرت آسی نے بھی جم کر نبھائی اور اس موضوع پر پچیسوں اشعار کہہ ڈالے، موضوع گفتگو کے مطابق یہ اشعار ملاحظہ کریں :

گناہگار ہوں میں واعظو! تمہیں کیا فکر ❁ مرا معاملہ چھوڑو شفیع محشر پر

پلا دے آج کہ مرتے ہیں رندانے ساقی ❁ ضرور کیا کہ یہ جلسہ ہو حوض کوثر پر

حضرت آسی ایک سچے عاشق رسول اور محب اہل بیت تھے ان کا سینہ رموزِ عشق کی تجلیوں سے مجلیٰ اور آنکھیں جلوۂ حسن رسالت مآب سے منور تھیں، وفور عشق اور جذبۂ صادق کی روشنی میں اگر حضرت آسی نے اس خراج عقیدت اور نذرانۂ محبت کے سلسلے کو دراز کیا ہوتا تو نعتیہ شاعری کا بیش بہا اور قیمتی اثاثہ وجود میں آیا ہوتا تاہم ''عین المعارف'' میں جتنے بھی مدحیہ نمونے موجود ہیں قدر ومنزلت کی بلندی پر ہیں۔

جمالیاتی ومجازی رنگ :

میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ ''عین المعارف'' کا بنیادی ومرکزی موضوع مجازی وجمالی اور رومانی ہے۔ اسی کیف وسرور کا چمکتا ہوا شاہکار ہے۔ دیوان میں شامل چونکہ حمدیہ ونعتیہ اور عارفانہ اشعار کی اہمیت سے صرف نظر ممکن نہ تھا اس لئے ذکر خیر ضروری تھا ورنہ حسن وجمال کا یہ تحفہ کیف آگیں خمار میں ڈوبے اور درد وکرب کے سانچے میں ڈھلے ہوئے اضطرابی رنگ کا آئینہ دار ہے۔ شاعر کے سطح فکر ونظر کی تصویر پورے دیوان پر حاوی ہے۔ جب سے اردو شاعری کی ابتداء ہوئی اس جمالیاتی، التجائی اور مطالباتی ذوق ورجحان کی اجتماعی تحریک ہر طرف اپنا راستہ بناتی گئی غزل یا تغزلانہ رعایت ہی کو فوقیت دینا اساس شعریت سمجھا گیا۔ اس شعری تحریک کا ہر شاعر نے استقبال کیا اور ہر صنف سخن میں پناہ ملی۔ مجازی تصورات ومحسوسات کی بڑھتی ہوئی رفتار کے سامنے شاعری کے کچھ مخصوص شعبے خود بخود متعین ہوتے گئے اور اسی بنیاد پر صنم کو بے وفا اور ظالم وسنگدلی کے تعین پر پوری دنیائے شاعری متفق ہوتی گئی، اسی کو شاعری کی روح تسلیم کیا گیا۔ روایتی وضع داری کے زیر اثر کسی شاعر نے

اپنے محبوب ومعشوق کو مخلص، یا پابند وفا، نرمی یا ہمدردی کے آئینے میں دیکھنا بھی پسند نہیں کیا۔ تغزلانہ رجحان ومیلان یا وارداتِ قلبی کا جوڈھانچہ تیار ہوتا رہا اس کے پیش نظر ہر مقام پر محبوب کا شیشے میں اترتے جانا اسلوب غزل کے منافی سمجھا گیا۔ تصورات و معنویت کے پھیلتے ہوئے مزاج کے سامنے رضامندی کے اشارے تمام ذہنی منصوبوں پر پانی پھیر سکتے ہیں، وعدہ خلافی اور بے وفائی کے عناصر شعراء کو زیادہ راس آتے اور اسی اعتبار سے تصورات و جذبات کی جمالیاتی دنیا وسیع ہوتی گئی، شب انتظار کی بے کلی، شب وعدہ کی بیقراری، وعدۂ فردا کی بے چینی، یک نظر التفات کی تڑپ اور وصل وفراق کے مسلسل اضطراب کے تحت بے شمار شعراء کے ساتھ اردو شاعری اپنے مقام تک پہنچ کے رہی۔ صدیاں بیت جانے کے بعد بھی آج تک اردو شاعری انہیں راستوں سے گزر رہی ہے۔ عجیب بات ہے کہ صنم ہزار بے وفا، سنگ دل اور وعدہ خلاف سہی مگر اس کے روئے زیبا، پائے ناز، حسن وشباب، زلف گرہ گیر، گیسوئے پیچاں، چشم نیم باز، چشم میگوں، کوئے محبوب، خاک در محبوب اور ایک جھلک پر جان نچھاور کرنے اور خون جگر بہانے پر شاعر بیتاب رہتا ہے، اگر محبوب، شاعر کی بے کلی و بیقراری اور اشکباری کے سامنے سر جھکا دے تو پھر مجازی شاعری کا ہر راستہ مسدود ہو جائے۔

طبع آزمائی کی ایسی فضا میں حضرت آسی نے بھی روایت کی پاسداری کی اور لمبا سفر طے کیا اس سفر کی روداد میں دیدار یار کی حسرت بھی ہے اور یاد محبوب کی قیامت خیز تڑپ بھی، پائے ناز پر جان نچھاور کرنے کا جذبہ بھی ہے اور چشم نیم وا پر خون جگر بہانے کا حوصلہ بھی، سراپا حسن وشباب کی لطافت پر فدا ہو جانے کی آرزو بھی ہے اور جام ومینا کی خمار آلود محفل میں کھو جانے کا ولولہ بھی، چشم گریاں اور سینۂ بریاں کی فریاد و بے بسی بھی ہے اور مسلسل وعدہ خلافی کے کرب کا شدید احساس بھی۔ دیوانگی وجنوں خیزی کی دہلیز پر بیتابی و بے کلی کی قربانی اور دھڑکنوں کی فداکاری، یہی رنگ مجازی کی علامت ہے۔ فصل گل اور موسم بہار میں وعدۂ فردا کا انتظار اور شب تنہائی کی کیفیت زخموں کو کرید کر رکھ دیتی ہے۔ روایتی ومجازی شاعری اپنے قدیمی شیوہ ووطیرہ اور تقاضۂ اظہار سے کبھی جدا نہیں رہ پاتی۔ شاعر خود کہتا ہے۔

اگر بیان حقیقت نہ ہو مجاز کے ساتھ ❁ تو شعر لغو ہے آسیؔ، کلام ناکارا

حقیقت ومجاز کی اشتراکی وامتزاجی نوعیت، رجحان وسیلاب کے دونوں رُخ پیش کرتے ہیں۔ کبھی شاعری حقیقت کو مجاز کے سانچے میں ڈھال دیتی ہے تو کبھی مجازی رنگ، حقائق کی نشاندہی کرنے لگتا ہے۔ روایتی ورومانی شاعری کے اسباب گل وبلبل، شمع و پروانہ، جام ومینا، زلف وزنجیر، فصل گل، موسم خزاں، دشت وصحرا، وصل ولقا، ہجر وفراق، وعدۂ فردا، وعدہ شکنی، کوئے محبوب، خاک کوئے یار، تیر نگاہ، انتظار شدید، خون جگر اور اشکباری وغیرہا کے گرد گھومتے رہتے ہیں اس کے باوجود معشوق کی مدح آرائی وصف بیانی اور ناکامی ونامرادی کے کتنے شعبے ہو سکتے ہیں کوئی شاعر اندازہ نہیں لگا سکتا اور نہ ہی جمالیاتی ورومانی شاعری کی حد متعین کی جا سکتی ہے۔ اس پہلو کو فوقیت حاصل ہے کہ دل کی اجڑی ہوئی دنیا سے شاعر کبھی گھبراتا نہیں۔ اپنی

بے پناہی و مایوسی پر راہ فرار اختیار نہیں کرتا اور نہ درد و کرب کی دلخراش وابستگی سے ہمت ہارتا ہے، ناکامیٔ عشق یا وفور شوق میں جیسے جیسے شدت بڑھتی جاتی ہے حقیقت و مجاز پر ایک سے ایک رنگ چڑھتا جاتا ہے۔ جلوۂ حسن و جمال جتنا بھی تڑپا جائے، تیر نگاہ ناز جتنی بار بھی کلیجے کو چھلنی کرتا جائے شاعر کی جاں نثاری پر آنچ نہیں آتی۔ سنگ در یار پر سر پٹکنے، موسم بہار میں اشک بہانے، تلاش یار میں دشت پیمائی کرنے اور نگاہ ناز پر خون جگر نچھاور کرنے کے جذبے نے مجازی شاعری کو ہمیشہ لالہ زار رکھا۔

ایسی شاعری کا اظہار حضرت آسی نے پورے دیوان میں کیا ہے، وہ محبوب کی کسی بھی ادا پر بے چین ہو سکتے ہیں، تڑپ سکتے ہیں، آنکھیں بچھا سکتے ہیں دل کی دنیا لٹا سکتے ہیں اور خون جگر بہا سکتے ہیں۔ مجازی تیور کی چند مثالیں ملاحظہ کریں :

واعظو اس کو دیکھ لو پہلے ❁ پھر کہو حور کیا ہے جنت کیا

پھر حسرت پیکان نگہ اے دل ناداں ❁ اب تک تو ٹپکتا ہے لہو زخم جگر سے

لو اب تو مرغ جاں ممکن کہ اڑ سکے ❁ تیر نگاہ ناز کلیجے کے پار ہے

اسکا پتہ کسی سے نہ پوچھو بڑھے چلو ❁ فتنہ کسی گلی میں تو ہوگا اٹھا ہوا

جو آنکھ ہے مستی میں وہ اک ساغر مئے ہے ❁ دیکھے تو کوئی ساقیٔ مخمور کی صورت

جمال ان کا ہے آب زندگانی ❁ مگر جینا کیا مشکل ہمارا

یہ حالت ہے تو شاید رحم آجائے ❁ کوئی اسکو دکھا دے دل ہمارا

گھر چھٹا، شہر چھٹا، کوچۂ دلدار چھٹا ❁ کوہ و صحرا میں لئے پھرتی ہے وحشت دل کی

جو اڑا ذرہ، دل زار کسی کا نکلا ❁ کوئے دلبر میں نظر آئی یہ کثرت دل کی

پھول سا پایا ہے منہ جس پر جگر ہیں چاک چاک ❁ خار مژگاں پائے ہیں دل میں چبھونے کے لئے

ہم سے بیکل سے وعدۂ فردا ❁ بات کرتے ہو تم قیامت کی

پھر بھی ہم تم جدا جدا ٹھہرے ❁ وصل میں بھی ادا ہے فرقت کی

دل کو چھیدے ہوئے نکلا جو کہیں تیر ترا ❁ دل کے ساتھ آج نکل جائے گی حسرت دل کی

نقد و جنس خرد و صبر و سکوں کچھ بھی نہیں ❁ لٹ گیا عاشق دلگیر بدولت دل کی

ان کی گلی میں جا کر سوت آنسوؤں کے پھوٹے ❁ یہ پھوٹ پھوٹ کر میں زیر مزار رویا

گردن جاں جھکائے ہے کس لئے ہر نیاز مند ❁ موت بھی کوئی وار ہے خنجر ناز یار کا

میں خدنگ نگہ مست کے صدقے ساقی ❁ ایک تیر اور بھی میرے دل بسمل کی طرف

سجن مومن کے یہ معنیٰ تھے کہ تا قید حیات ❁ پاؤں زنجیر میں دل زلف گرہ گیر میں تھا

حضرت آسی جس تخیل جس جذبے کو اپنے رنگ میں ڈھالتے ہیں معنیٰ خیزی، تہہ داری اور تعمق نوازی کے سائے میں عروج وکمال تک پہنچا دیتے ہیں، دائرۂ افکار اور پختگی و دیدہ وری ہر مقام پر وسیع نظر آتی ہے، اردو کی کوئی بھی بڑی شاعری حضرت آسی کو مرعوب نہیں کر سکتی۔ میرؔ و غالبؔ یا دیگر اساتذۂ متقدمین کی سی جلوہ گری ہر جگہ بڑے باوقار طرز پر دکھائی دیتی ہے، درد و کرب کا احساس ہو یا ناکامی وصل کا ماتم، یک نگاہ نازِ جاناں کی تڑپتی ہوئی آرزو ہو یا حلقۂ زلف گرہ گیر میں آہیں بھرنے کی بیتابی، غم فرقت میں آنسوؤں کی سوغات پیش کرنے کا جذبہ ہو یا وعدۂ فردا کی قیامت خیز ساعتوں کی فریاد، حضرت آسی نے ایک وسیع پیمانے پر حقیقت ومجاز کا دریا بہا کر رکھ دیا۔

اساتذۂ سخن کی شاعری میں موت کا ذکر مختلف انداز وکیفیت میں خوب ہوتا رہا کبھی حقیقت کے آئینے میں تو کبھی مجازی رنگ میں، اس روایتِ سابقہ کا تقلیدی اثر حضرت آسی کی شاعری میں بھی موجود ہے، اس موضوع پر آپ کے روحانی اشعار متعدد حقائق ومعارف اور اسرار ورموز منکشف کرتے ہیں جو بطور خاص توجہ کی دعوت دیتے ہیں "الموت تحفة المومنین" کے آئینے میں کوئی نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ کس کو کہاں تک جزائے خیر سے نواز دے اور کس کو کیا کیا انعام واکرام عطا فرما دے۔ انہیں روحانی عطیات وتحائف پر ایمان رکھتے ہوئے حضرت آسی فرماتے ہیں :

اتنا تو جانتے ہیں کہ عاشق فنا ہوا ❁ اور اس سے آگے بڑھ کے خدا جانے کیا ہوا

کسی میں جو کوئی فنا ہو گیا ❁ نہ کچھ پوچھ آسیؔ وہ کیا ہو گیا

موت برحق ہے ہر ذی روح کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے عشق حقیقی میں گزرنے والی زندگی اور عشق وجمال میں فنا ہونے والی حیات بقائے ابدی اور رضائے خداوندی کی ضمانت ہے یہ ضمانت وامانت اسی کا مقدر ہے جو تاب روئے محبوب کو ہر وقت سینے میں بسائے رکھے اور عشق حقیقی کا دم بھرتا رہے بعض انہیں حقائق کی ترجمانی کرتے ہوئے حضرت آسی فرماتے ہیں۔

ہے فنا بعد بقا سب کو جہاں میں آسیؔ ❁ جب چڑھے دھوپ تو سمجھو کہ ہے ڈھلنے کے لئے

نکل جائے دم اس کی الفت میں آسیؔ ❁ سوا اس کے اب کچھ تمنّا نہیں ہے

مری زیست کیونکر نہ ہو جاودانی ❁ جو مرتا ہے اس پر وہ مرتا نہیں ہے

آسیؔ شہید عشق ہوں مردہ نہ جانیو ❁ مر کر ملی ہے زندگی جاوداں مجھے

اب تو پھولے نہ سمائیں گے کفن میں آسی ❁ ہے شب گور بھی اس گل کی ملاقات کی رات

حضرت آسی نے جس طرح موت کو حقائق کی روشنی میں پیش کیا اسی طرح موت کو مجازی وعلامتی انداز میں بھی ظاہر کیا ہے یہ شعری تعلّی آئینۂ مجاز میں موت کو دلچسپ پیرایہ کا لباس پہناتی ہے شعری رعایت کے سبب ایسی خوشگوار موت کا تحفہ ہر وقت محبوب پر نثار رہتا ہے روایتی شاعری کا یہ رومانی تصور ایسی راہوں سے گزرنے کا ہمیشہ عادی رہا۔

ضرورت کیا دعا مانگو خدا سے مرگ عاشق کی ❁ جنازے پر اگر آجاؤ ہم بے موت مرتے ہیں

جیتے جی کون ترے در سے اٹھا سکتا تھا ❁ بس جنازے کو اٹھائیں گے اٹھانے والے

زندگی فرقت دلدار میں کیا، اے آسیؔ ❁ مر نہ جاتے جو شب ہجر تو ہم کیا کرتے

مانگتے موت کی دعا لیکن ❁ ہاتھ دل سے اٹھا نہیں سکتے

آپ سے دیکھی نہیں جاتی تھی میری زندگی ❁ لیجئے مرتا ہوں اب مرنا تو میرا دیکھئے

نتیجہ زندگی کا عشق بازی کے سوا کیا ہے ❁ حقیقت میں وہی جیتے ہیں بس تجھ پر جو مرتے ہیں

بطور خاص یہ شعر بھی ملاحظہ کریں۔

عداوت ہے سیہ چشموں کو ہم سے بعد مردن بھی ❁ لحد پر جو اُگا سبزہ ہرن آ آ کے چرتے ہیں

حدیث کریم کی روشنی میں قبر پر سبزے کا اگنا راحت وسکون کی علامت ہے مگر سیہ چشموں کی عداوت نے موت کے بعد بھی پیچھا نہیں چھوڑا قبر پر اُگے ہوئے سبزے کو کالی آنکھوں والے ہرن چر کر عداوت کی رسم پوری کر رہے ہیں، اس شعر کی گہرائی اور معنیٰ خیزی عجیب لطف پیدا کرتی ہے۔ حضرت آسی نے اپنے عہد کے ہر شعری مزاج اور پرورش پر طبع آزمائی کی حتّٰی کہ بوسہ بازی کی روایت کو بھی نبھانے سے پیچھے نہیں رہے اس موضوع پر تقریباً تیس پینتیس اشعار کہہ ڈالے جن کے ذکر کے بغیر اپنی بات ختم کرتا ہوں۔ ''عین المعارف'' میں تقریباً ہر صنف سخن کے بہترین نمونے موجود ہیں مزید خیال آرائی کی گنجائش نہیں۔ الغرض حضرت آسی غازیپوری ایک بلند پایہ اور عالی مرتبت استاد سخن ہیں، قدیمی شاعری کے ہر اعلیٰ تخیل کو ایک نئے زاویے سے پیش کیا، پورا دیوان بھرپور معنویت، دیدہ وری، پختہ کاری اور دلکش رومانیت سے معمور ہے، انہیں میرؔ و غالبؔ کا بدل تو نہیں کہا جاسکتا مگر بہترین غزلوں سے میرؔ و غالبؔ کی یاد ضرور تازہ ہوتی ہے۔

* * * * * * * * * *

حضرت گیلانیؒ کی نعتیہ شاعری

● مولانا طلحہ نعمت ندوی ـــــ استھانواں، بہار شریف، نالندہ

شاعر کی اثر انگیزی اور اس کے دلکش و دلگیر اسرار و رموز کی تلاش میں فلاسفہ و ماہرین صدیوں سرگرداں رہے ہیں، لیکن اس سے شاید ہی کوئی باذوق حق شناس انکار کرسکتا ہے کہ یہ راز جذبہ کے خلوص اور قوت میں یا اقبال کی زبان میں ''خون جگر'' میں پوشیدہ ہی.....اور نعتیہ شاعری کا سرمایہ یہی آتش عشق اور خون جگر رہا ہے۔

اردو شاعری میں نعت کا موضوع اپنے اندر بڑی دلکشی اور دلبری رکھتا ہے، اس حدیث دلبری میں عشق و محبت کی ایسی وارفتگی اور والہانہ پن کا اظہار ملتا ہے جس کی نظیر کسی دوسری صنف شاعری میں نہیں پائی جاتی، اس صنف سخن کا امتیاز صرف فنی خوبیاں نہیں بلکہ عشق رسول اور ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و وارفتگی کا مقدس و پاکیزہ جذبہ ہے۔

اور مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے بقول :

''نعت نگاری کا محرک دراصل محبت رسول کا مقدس اور قوی جذبہ ہوا کرتا ہے، اور عشق کی آنچ میں تپ کر دل کی گہرائیوں سے نکلنے والا نالہ ''نے'' کا پابند نہیں ہوتا''۔(۱)

حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ کی نعتیہ شاعری میں مذکورہ بالا صفات بدرجۂ اتم موجود ہیں، اور وہ ان خوبیوں کا مرقع اور ان پاکیزہ احساسات و جذبات کی ترجمان نظر آتی ہے۔ مولانا نے اپنی نعتیہ شاعری کا دائرہ صرف اردو تک محدود نہیں رکھا بلکہ مگہی زبان میں بھی طبع آزمائی کی ہے، اور اپنے جذبہ عشق نبوی کو مگہی جملوں کا قالب عطا کرکے اسے زندہ و جاوید بنادیا ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کی نعتیہ شاعری کا سرمایہ محدود ہونے کے باوجود سخنوروں کی بزموں اور صلحاء کی مجلسوں میں یکساں مقبول رہا ہے۔ ان کی نعتیہ نظموں کی تعداد تین سے زیادہ نہیں ملتی، جن میں دو نظمیں مگہی زبان میں ہیں، اس لئے زبان کی اجنبیت کے باعث شاید اہل ادب کو ان سے دلچسپی نہ ہو۔

ان کی سب سے پہلی نعت مگہی زبان کی وہ مشہور نعت ہے جو انہوں نے اپنے طویل مرض سے شفایابی کے بعد کہی تھی، اس سلسلہ میں ان کا قصہ بہت حد تک علامہ بوصیریؒ صاحب قصیدہ بردہ سے مشابہ نظر آتا ہے جنہیں اپنے مشہور نعتیہ قصیدہ

کے ذریعہ خواب میں دیدار نبوی کا شرف حاصل ہوا تھا اور لاعلاج مرض سے شفا ملی تھی۔ مولانا نے اپنے جذبۂ عشق نبوی کو مگہی الفاظ کا قالب عطا کر کے اسے بھی زندہ وجاوید بنادیا ہے، یہی وجہ ہے کہ زبان کی اجنبیت کے باوجود مولانا کی اس نعت کو علمی و دینی اور ادبی حلقوں میں جو پذیرائی حاصل ہوئی وہ دوسری نعتوں کو کم حاصل ہوئی ہوگی، اس کے پس پردہ درحقیقت مولانا کا سوز دروں اور جذب اندروں کارفرما ہے اور محبت و درد کا پرخلوص جذبہ بھی، ان خصوصیات وکمالات کے حسین امتزاج نے مولانا کی شاعری کو حیات جاوید عطا کی ہے۔ مولانا کی شاعری میں فنی کمالات کی کارفرمائی ان کی مقبولیت کی ضامن ہے یا ان کا درد دل، مولانا کے سوانح نگاروں نے اس پر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔

مولانا نے اپنی اس مگہی نعت کا پس منظر بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان کا جسم زخموں سے چور تھا، بہت مشکل سے انہیں پٹنہ لے جا کر ایک شفاخانے میں داخل کیا گیا جہاں تقریباً ڈھائی مہینے کے طویل قیام کے بعد انہیں شفایابی نصیب ہوئی، ان کے جسم کے تمام پھوڑوں کا آپریشن ہو چکا تھا، آخری زخم کا آپریشن باقی تھا کہ رات کو زیارت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے اور زخم مندمل ہوگیا، جب ڈاکٹر آئے تو جسم میں زخم کا کوئی اثر نہ تھا، مزید آپریشن کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی، گویا عربی کی مشہور نعت قصیدہ بردہ کے شاعر بوصیری کے ساتھ جو صدیوں پہلے پیش آیا تھا، ایک مدت کے بعد سچے عاشق رسول کے ساتھ تقدیم وتاخیر کے معمولی فرق کے ساتھ اسی قصہ کو دہرایا گیا، بوصیری نے نعت خوانی کے بعد شفا پائی تھی، اور دیدار نبوی سے مشرف ہوئے تھے، اور عالم خواب ہی میں ردائے مبارک سے سرفراز ہوئے تھے، لیکن یہاں دیدار ونظر رحمت کے بعد جذبات تشکر نے شعری پیکر اختیار کیا ہے۔

ان کے سوانح نگار ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہاں پوری لکھتے ہیں :

''صحت بحال ہوگئی، مولانا حیدرآباد روانہ ہوگئے، اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ان کی اس نعت میں ان کی التجا والتماس میں کتنا سوز دروں اور غم پنہاں ہے، اور جذب اور شوق کا کیا عالم ہوگا جو یہ مقام پایا''۔(۲)

مولانا اپنی اس نعت کے آغاز میں اپنے جذبہ فدائیت کا اظہار کرتے ہوئے عالم تخیل میں اپنے محبوب سے ہم کلام ہو کر کہتے ہیں :

پیارے محمد جگ کے سجن
تم پر واروں تن من دھن

پھر ان کے دل میں آرزو مچلتی ہے اور وہ اپنے محبوب کے دیدار کی تمنا کرتے ہوئے کہتے ہیں :

جیا کنہرے دلوا تر سے
کرپا کے بدرا کہیا برسے

اس کے بعد وہ آستانہ نبوی کی جاروب کشی اور اپنے محبوب کے قدموں میں اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دینا چاہتے ہیں، اور اسے اپنے زندگی کا آخری ارمان اور جان تمنا قرار دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں :

تمری دواریا کیسے چھوڑوں ❁ تم سے توڑوں توکس سے جوڑوں
تمری گلی کی دھول بٹوروں ❁ تمرے نگر میں دم بھی توڑں
جی کا اب ارمان یہی ہے ❁ آٹھوں پہر اب دھیان یہی ہے

طویل نعت کے ان اشعار کو پڑھ کر یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ نعت میں شاعر کا سوز دروں اور خون جگر شامل ہے، اس میں عشق کی مستی اور وارفتگی تحلیل ہوگئی ہے، اور اس میں جو جذب دروں اور سوز اندروں ہے صاف محسوس ہوتا ہے کہ وہ نعت گو کے دل کی حرارت اور محبت کا نتیجہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ارباب شوق اور اہل دل صوفیہ نے اس کی خوب پذیرائی کی ہے، اور ان کے دلوں کی سرد انگیٹھیاں اس سے روشن ہوئی ہیں۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ فرماتے ہیں :

''مجھے یہ نعتیں بے حد عزیز ہیں، میں نے ایک روز ان سے ان نعتوں کے سنانے کی فرمائش کی جو انہوں نے بہاری ہندی میں لکھی ہیں اور سوامی دھرمی گیلانی والے کی طرف سے بعض اخبارات ورسائل میں چھپی ہیں، ان نعتوں میں ان کے میٹھے بول، مولانا کا ترنم اور نعت کا موضوع ان سب نے مل کر عجب دلکشی اور دل آویزی پیدا کر دی ہے۔ انہوں نے مجھے مدینہ میں کیف وذوق بخشا، کبھی کبھی جی چاہتا کہ صرف ان نعتوں کو سننے کے لئے گیلانی کا سفر کروں''۔(۳)

دوسری جگہ مدینہ میں اس کی اثر آفرینی کی تفصیل ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

''مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ مدینہ طیبہ کے طویل قیام میں جامعہ اسلامیہ کے خطبات کے لئے ٹھہرا ہوا تھا، ایک دن طبیعت میں کچھ بے کیفی محسوس ہوئی، اور دل کا تقاضا ہوا کہ اس میں تحریک پیدا کرنے والی کوئی نظم ملے، میں نے کہیں سے الفرقان کا وہ نمبر حاصل کیا جس میں ان کی مگدھی یا بہاری زبان کی نعت شائع ہوئی ہے، جس کا مطلع ہے :

پیارے محمد جگ کے سجن ❁ تم پر واروں تن من دھن

ان اشعار کا پڑھنا تھا کہ سوئی ہوئی طبیعت جاگ اٹھی اور ایسا معلوم ہوا کہ کھوئی ہوئی چیز مل گئی''۔(۴)

خود مصنف نے اس کی اثر اندازی کا ایک واقعہ ذکر کیا ہے، لکھتے ہیں :

''بہار کے نائب امیر شریعت مولانا سجاد صاحب مرحوم اگر چہ بہ ظاہر فقیہ النفس والصورت تھے، مگر ذاتی تجربہ کے بعد ماننا پڑتا تھا کہ باطن ان کا فقیہ سے زیادہ فقیر تھا..... اسی زمانے میں اتفاقاً ان کی تشریف آوری ہوئی، اس نظم کے سننے کا ان کو بھی موقع ملا، سنتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے، خصوصیت کے ساتھ اس بند پر تڑپ تڑپ گئے، ہچکیاں بندھ گئیں، یعنی دوسرا بند :

تمری دواریا کیسے چھوڑوں ❁ تم سے توڑوں توکس سے جوڑوں

اس استفہامی مصرعہ کو بار بار دہراتے اور بلبلاتے''۔(۵)

مولانا نے شفایابی کے بعد اپنے جذبۂ تشکر کے اظہار کے لئے مگہی (مگدھی) زبان کا انتخاب کیا، مصنف کے الفاظ میں اس کے اسباب ملاحظہ فرمائیں :

''اس زمانہ میں بہار میں تھا، بہار کی دیسی آبادی جو دیہاتوں میں رہتی ہے ایک خاص قسم کی زبان بولتی ہے، اس زبان میں اور کچھ ہو یا نہ ہو لیکن التجا والتماس کے لئے اس کا پیرایہ حد سے زیادہ موزوں اور مناسب ہے بے ساختہ اسی زبان میں کچھ مصرعے ابلنے لگے''۔(۶)

مولانا کی یہ اہم نعت جس میں پہلی بار ان کے ذریعہ ایک غیر علمی زبان کو تحریر کا قالب عطا ہوا تھا، اور خود شاعر کی تصریح کے مطابق حضرت سجاد ہی نے جن کا واقعہ خود ان کی زبانی اوپر گذرا انہیں اس نعت کو تحریری شکل میں لانے کا طریقہ بتایا تھا (۷)۔خود مصنف کے بقول :

''سن کر تو اردو زبان کے سمجھنے والے بھی اسے سمجھ سکتے ہیں، لیکن اردو زبان کے املائی حدود میں مگدھی یا بہاری زبان مروجہ کے ان الفاظ کو لانا دشوار ہے، کتابی شکل میں شاید جیسا کہ وہ چاہئے سمجھے بھی نہیں جاسکتے لیکن عرض چونکہ اسی زبان میں کیا گیا تھا، بجنسہ ان ہی الفاظ کو نقل کر دیتا ہوں.....۔

پیارے محمد جگ کے سجن ❁ تم پر واروں تن من دھن
تیری صورتیا من موہن ❁ کبھیو کراہو تو درشن
جیا کنہ رے دلوا ترسے
کرپا کے بدرا کہیا برسے
تمری دوارَیا کیسے چھوڑوں ❁ تم سے توڑوں تو کس سے جوڑوں
تمری گلی کی دھول بٹوروں ❁ تمرے نگر میں دم بھی توڑوں
جی کا اب ارمان یہی ہے
آٹھوں پہر اب دھیان یہی ہے
صلی اللہ علیک نبیا ❁ تمرے دوارے آیا دکھیا
بہنیا اہکی پکڑھو راجا ❁ اپنے حسین وحسن کا صدقا
ڈھوا گھیریں ناؤ کو اس کے
اب نہیں ہم ہیں اپنے بس کے
سیس پہ اہکے پاواں دھر ہو ❁ پیت کی اگیا من میں بھر ہو
بھدر ہوا پہ تنی کرپا کرہو ❁ سپنو میں ایسن کرگجر ہو
راجا تمری ڈیوڑھی بڑی ہے
رحمت تمرے نام پڑی ہے

اندھرا کے تم رہیا بتا ہو ❁ ہردے کا اکے جوت جگا ہو
ڈگری پہ اپنے اکو چلا ہو ❁ بودھا کے تم بدھی بنا ہو
کھینچو اکو پاپ نرکھ سے
دھو دیہو کالیکھ منہ کا اکے
تمرے پیا کی اونچی اڑیا ❁ ہمری نے ہے واں پہ گجریا
بتلا بتلا رہی نجریا ❁ پگھلئی ہے ایک تمری دواریا
ان کھر پتو اتمرے سے چلی ہے
کھوجوا بھی ان کر تمرے سے ملی ہے
پی کی پتیا تم ہی لے لہو ❁ ان کھر بتیا تم ہی سنے لہو
ہمنی کے نیندیا سے تم ہی جگے لہو ❁ مرل تھلئی تم ہی جلے لہو
دھرمی بھے لوں تمرہی دیا سے
مکتی بھی ہووای تمری دوا سے (۸)

اس سے اندازہ ہوگا کہ مولانا کو اس زبان پر بھی کتنی قدرت ہے، عام طور پر یہ زبان مولانا کے علاقہ کے ہنود استعمال کرتے ہیں، عام مسلمان بھی اس سے پوری طرح واقف نہیں چہ جائے کہ شرفاء کے گھرانے جو عام ماحول سے الگ ہی رہتے ہیں، لیکن اس کے باوجود اس زبان پر مولانا کی قدرت اور اس میں شاعری مولانا کا ایک قابل قدر کمال ہے۔

مولانا گیلانی نے شاعری کے متعدد اصناف میں طبع آزمائی کی ہے، لیکن ان کی نعتیہ شاعری ان تمام اصناف میں ایک امتیازی شان رکھتی ہے، ان کے سوانح نگار جناب ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہاں پوری نے درست لکھا ہے کہ :

''ان کی نظموں میں خیالات کی بلندی ہے، زبان کی صفائی ہے، بیان کا زور ہے، اسلوب کی دلکشی ہے، لیکن ان کی شاعری میں خاصہ کی چیز ان کی نعتیں ہیں''۔(۹)

مولانا کے رفیق عزیز مولانا عبدالماجد دریابادی ان کی نعتیہ شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

''نعتیہ نظمیں خوب کہتے اور خوب تر انداز سے پڑھتے، ہر مصرعہ کے ساتھ دل لگی اور جاذبیت بڑھتی جاتی، بہار کی ہندی (مگھی) زبان پر بھی انہیں قدرت حاصل تھی اور ایسی ہی قدرت بے تکلف فارسی مصرعوں پر بلکہ بے تکلف عربی مصرعوں پر بھی''۔(۱۰)

مولانا کی نعتیہ شاعری ان کے واردات قلب اور جذب اندروں کی ترجمان ہوتی ہے، اس میں تصنع وتکلف اور بیجا آورد کو مطلق دخل نہیں ہوتا، ان کی نعتیہ شاعری کے حوالے سے یہ بات قابل ذکر بھی ہے اور قابل ستائش بھی کہ ان کی نعتیں عشق ومحبت کے پس منظر میں کہی گئی ہیں۔

مولانا ایک سچے عاشق رسول تھے، اور اللہ تعالیٰ نے ان کو عشق ومستی کی کیفیت کے ساتھ طبیعت کی موزونی بھی عطا فرمائی تھی، اسی لئے ان کی شاعری بالخصوص نعتیہ شاعری صرف قال کے بجائے حال پر مبنی ہے۔

مولانا کے ایک عقیدت مند نے ان کی نعتیہ شاعری کے سلسلہ میں اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں ذکر کیا ہے :

''موصوف کے کلام سے طنز ومزاح کی بھینی بھینی خوشبو آتی ہوئی محسوس ہوتی ہے، لیکن اس کے باوجود میری فہم نارسا کے پیش نظر شاعری میں مولانا موحوم کی جو انفرادیت اور فن کی جلوہ سامانی صنف نعت میں نظر آتی ہے دوسری اصناف میں نہیں''۔(۱۱)

انہوں نے مگھی زبان کی مشہور نعت کے علاوہ سفر حج کے موقعہ پر جو طویل نعتیہ نظم کہی ہے وہ جہاں ایک طرف ان کے عشق بیتاب اور شوق دل کی ترجمان ہے وہیں بیک وقت عربی، اردو اور فارسی میں ان کی قادر الکلامی کا بین ثبوت بھی ہے۔

قارئین اس کا شان ورود خود صاحب نعت کی زبان سے سن لیں، اپنے سفر حج کی داستان سناتے ہوئے مولانا فرماتے ہیں :

''کبھی رات کی تاریکی میں جہاز کی آخری بالائی سطح پر چلا جاتا، سامنے سمندر کا پانی اور جگمگاتے تاروں سے بھرے آسمان میں نظارہ، جہاز، دل کی گہرائیوں سے رہ رہ کر جس کے متعلق آرزو رہا کرتی تھی اس خطہ اور پاک سرزمین کی طرف بڑھتا جارہا تھا، دل کی گہرائیوں سے جس کے متعلق آواز آتی تھی :

فرخا! شہرے کہ تو باشی دراں ❁ اے خنک شہرے کہ تو باشی دراں
وائے امروز خوشا فردائے من ❁ مسکن یارست شہنشاہ من

برادر عزیز سلمہ اللہ کا یاد دلایا ہوا پیغام دماغ کی سطح پر پہنچ کر مچلنے لگا، بے ساختہ زبان سے مصرعے نکلنے لگے ابتداء تو مادری زبان اردو ہی سے شروع ہوئی۔

ہر ایک سے ٹکرا کر ❁ ہر فعل سے گھبرا کر
ہر کام سے پچھتا کر ❁ ہر فعل سے شرما کر
آمد بدرت بنگر ❁ اے خاتم پیغمبر

اس کے بعد فارسی مصرعوں کا زور بندھا، نیچے اتر آیا، روشنی میں قلم بند کرنے لگا، اختتام عربی کے چند مصرعوں پر ہوا، ''عرض احسن'' کے نام سے یہی نظم موسوم ہوئی، اور پیش کرنے کے لئے ''تحفۂ درویش تیار ہوگیا''۔(۱۲)

شاعر کا دریائے محبت جوش میں آتا ہے تو وہ عشق نبوی میں ڈوب کر اپنے گرد وپیش سے بے پرواو غافل ہوجاتا ہے، اور عالم تخیل میں اپنے محبوب سے مخاطب ہوکر یوں نغمہ سرا ہوتا ہے :

یا قاسم للکوثر ❁ اے سرور ہر سرور
اے رہبر ہر رہبر ❁ اے آں کہ توئی افسر
ہر کہتر وہر مہتر ❁ فی المبدأ والمحشر

ناظرین ملاحظہ فرمائیں، ان چھوٹے چھوٹے مصرعوں میں اردو فارسی کے حسین امتزاج اور بیچ میں عربی مصرعہ نے کس طرح ایک عجیب لطافت اور دل کشی پیدا کر دی ہے، اس میں زبان کی سلاست وروانی بھی ہے اور فنی نزاکتوں کی پاسداری بھی اور اپنے محبوب آقا کی ذات گرامی (ﷺ) سے وارفتگی وگرویدگی کا جلوہ بھی۔

آگے فرماتے ہیں :

اے ہستی تو محور ❁ للأکبر والأصغر
اے طلعت تو مظہر ❁ للأول والآخر
اے رحم جہاں پرور ❁ آقائے کرم گستر
آمد بدرت بنگر

پھر شاعر اپنے محبوب کے کمالات کا حوالہ دے کر عالم تخیل میں اس کے حضور حاضر ہو کر یوں عرض گذار ہوتا ہے :

ہاں دست دعا بکشا ❁ از ذروۂ او ادنیٰ
وے مرضیِ تو ترضیٰ ❁ وے ملت تو بیضا
فالليل لقد يغشى۔ ❁ والكفر قد استعلى

وہ زمانے کے جور وستم کا حوالہ دے کر اپنے محبوب (ﷺ) سے اس کی امت کی بے کسی کا شکوہ کرتا ہے، وہ بڑے درد سے کہتا ہے کہ ذرا اپنی امت پر نظر کرم فرمائیے، کفر اس کی قسمت پر خندہ زن ہے، اعداء اسلام اس پر مشق ستم کر رہے ہیں۔

ذا أمتك الضعفى ❁ فى سيطرة الاعداء
هاں رميك لا يخطىٰ ❁ وسهمك لا يطغىٰ
والله هو الاعلىٰ ❁ والحق فلا يعلىٰ

شاعر کبھی ہجر میں چلتا ہے، کبھی مانند بسمل خاک وخون میں تڑپتا ہے، جب صرصر عصیاں کے تھپیڑے اسے دشت وفا سے دور کر دیتے ہیں تو وہ بے قرار ہو کر پھر اپنے محبوب کی آغوش میں پہنچنا چاہتا ہے، محبت کی وارفتگی اور جنوں خیزی میں وہ نعت کہنے کے لئے باچاک گریباں، باسینۂ گریاں، بادیدۂ بریاں نکلتا ہے، اور یوں گویا ہوتا ہے :

باچاک گریبانے ❁ با سینۂ بریانے
با دیدۂ گریانے ❁ با اشک فراوانے
با نالۂ وافغانے ❁ با سوزش پنہانے
با دانش حیرانے ❁ با عقل پریشانے

در صورت عطشانے ❁ در گریۂ درمانے
خواہد ز تو فرمانے ❁ پروانہ غفرانے
آمد بدرت بنگر ❁ البائس والمعتر

وہ اپنے طائرتخیل سے پرواز کرکے محبوب کے آستانے پر حاضر ہوتا ہے، اس سے مخاطب ہوکر اس کی رحمۃ للعالمینی کا حوالہ دیتے ہوئے اس کی نظر کرم کا آرزومند ہوتا ہے :

شاہا تو بہ من منگر ❁ بر رحمت خود بنگر
انصاف تو کن آخر ❁ غیر از تو مرادیگر
من ناظر والناصر ❁ والشافع مستغفر
آمد بدرت بنگر

ان کے سوانح نگار جناب ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہاں پوری نے اس نعت کے تعارف میں حسب ذیل سطریں تحریر کی ہیں :

''یہ ایک طویل نعت ہے اور فارسی میں ہے، کئی شعر عربی میں اور کئی عربی فارسی میں ملے جلے ہیں، یہ نعت، نظم، غزل، مربع، مخمس، مسدس، کس ہیئت میں ہے، اس کا فیصلہ قارئین کرام خود کرسکتے ہیں''۔(۱۳)

اور مولانا کے شاگرد رشید مولانا غلام محمد حیدرآبادی کے بقول :

''یہ نعت حضرت گیلانی کی شخصیت کے گوناگوں مناظر کا آئینہ ہے، وفور عشق نبوی، کمال علمی، جمال عرفانی، غلبہ جذب،.....سوز ملت بیضاء اور جوش کفر شکنی وغیرہ''۔(۱۴)

مگہی زبان میں ان کی ایک اور نعت ملاحظہ ہو جواب بہت کم یاب ہے اور اہل علم عام طور سے اس سے ناواقف ہیں، بہت پہلے کسی اخبار میں شائع ہوئی تھی، اس میں چند اشعار اس کے علاوہ بھی ہیں۔

رات گئی اور بھور بھیا اور پھیل گیا اجیالارے ❁ بپتا کی ان گھڑیوں میں ایلو کملی والارے
دنیا بھٹکی پھرتی تھی چھا گلے تھا اندھیالارے ❁ دکھی سکھی راجا پرجا سگرو تھے متوالارے
من کی اندھری نگری پر پڑل تھلے کئی تالارے ❁ جنے دیکھو چورے چور کوئی نہیں رکھوالارے
بپتا کی ان گھڑیوں میں اَیلو کملی والارے ❁ پورب پچھم دکھن اتر والا رے
بٹ بٹ کے اور کٹ کٹ کے دھرتی تھالا تھالارے ❁ بھائی مارے بھائی کو برچھا اور بھالا رے
بپتا کی ان گھڑیوں میں اَیلو کملی والارے

حواشی :

(۱) اردو شاعری میں نعت گوئی ایک تنقیدی مطالعہ از رشاد عثمانی ص:۷۔

(۲) مولانا مناظر احسن گیلانی سوانح وشخصیت،ص:۴۷۔

(۳) پرانے چراغ جلد اول،ص:۴۷۔

(۴) مقدمہ سفر حرمین،ص:۷۔

(۵) حوالہ سابق،ص:۱۳ حضرت سجاد پر اپنے مضمون میں لکھتے ہیں''اور وہ سماں کیا حافظہ سے نکل سکتا ہے،جاڑوں کے دن تھے،میں پاسیا(نقیح الدم)کی خطرناک بیماری سے شفایاب ہوکر گیلانی میں رخصت کے دن گذار رہا تھا،حضرت مولانا بھی گیلانی تشریف لائے تھے،باتوں باتوں میں اپنی نظم نیاز جو مگھی زبان میں ہے اس کا ذکر بھی آیا،مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے سنانے کی فرمایش کی،اپنی خاص لے میں سنانے لگا،جب اس بند پر پہنچا،سرور کائنات ﷺ کو مخاطب کرکے عرض کیا گیا تھا :

تمری دوارِیا کیسے چھوڑوں ❁ تم سے توڑوں تو کس سے جوڑوں
تمری گلیک(گلی کی)دھول بٹوروں ❁ تمرے نگر میں دم بھی توڑوں
جی کا اب ارمان یہی ہے ❁ آٹھوں پہر اب دھیان یہی ہے

مولانا مرحوم بے قرار ہوگئے،دبے ہوئے آنسو تھم نہ سکے،سیلاب رواں ہوا،اور اتنا رواں ہوا کہ گھگھیاں بندھ گئیں :

تم سے توڑوں تو کس سے جوڑوں

اس مصرعہ کو بار بار دہراتے تھے''۔ارتسامات گیلانیہ مشمولہ حیات سجاد،مرتبہ مولانا عبدالصمد،ص:۵۸۔

(۶) مولانا حضرت سجاد پر اپنے مضمون محولہ بالا میں حاشیہ میں لکھتے ہیں:''مولانا کی فرمائش پر یہ نظم مونگیر خانقاہ رحمانیہ میں طبع ہوئی،مگھی الفاظ اردو میں کس طرح لکھے جائیں اس کی ترکیب مولانا نے بتائی''۔

(۷) سفر حرمین،ص:۱۱۔

(۸) حوالہ سابق،ص:۱۲۔یہ نعت بہت سی جگہوں پر نقل کی گئی ہے لیکن الفاظ میں بہت تبدیلی نظر آتی ہے،سفر حرمین کی اشاعت(لکھنؤ،۲۰۱۲ء)کے وقت راقم نے قدیم اشاعتوں کو پیش نظر رکھ کر اس کی تصحیح کی تھی،وہی نظم اس میں شامل ہے،مگھی الفاظ کی تشریح کچھ مولانا کے قلم سے ہے کچھ راقم کے،یہاں یہ تشریحات بہ خوف طوالت نہیں شامل کی جاسکیں۔

(۹) مولانا مناظر احسن گیلانی شخصیت وسوانح،ص:۳۸۔

(۱۰) معاصرین،ص:۱۲۸۔

(۱۱) مناظر گیلانی از فاروق اعظم عاجز قاسمی،ص:۲۰۔

(۱۲) سفر حرمین،ص:۱۹۔

(۱۳) مولانا گیلانی سوانح وشخصیت،ص:۴۔

(۱۴) مقالات احسانی،ص:۴۷۶،مطبوعہ کراچی۔

❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋

مسعود بک کی شاعری میں صوفیانہ عناصر

● ڈاکٹر حنا اسحاق ـــ پوسٹ ڈاکٹرل فیلو، شعبۂ فارسی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

ہندوستان میں تصوف وعرفان کی روایت اسلام کی آمد کے ساتھ ہی ملتی ہے۔ یہاں بے شمار صوفیہ ومشائخ نے اپنے واردات قلبی، مشاہدات اور حقایق ومعارف واسرار ورموز کو منثور ومنظوم شکل میں پیش کیا۔ آج بھی صدہا تصانیف جن کی اکثریت فارسی زبان میں ہے عوام کی نگاہوں سے گوشۂ گمنامی میں ہیں۔

ہندوستان میں سلسلۂ چشتیہ کے مشائخ اور بزرگوں نے اپنی تصنیفات کے ذریعے نہایت وقیع کارنامے انجام دیئے ہیں۔ یہ سلسلہ بلاشبہ ہندوستان کا مقبول ترین سلسلہ رہا ہے۔ اس سلسلہ کی پیروی کرنے والوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جنہوں نے عرفانی ادب کے میدان میں نہایت بیش قیمت آثار چھوڑے ہیں۔ انہی میں سے ایک مسعود بک بھی ہیں۔

مسعود بک بنیادی طور پر ایک عالم دین، واعظ، پیر طریقت اور صوفی شاعر تھے۔ یوں تو فارسی شاعری کا قدیم وجدید سرمایہ تصوف کی جانب مائل اور اس کے اسرار ورموز کی تشریح کرنا نظر آتا ہے اور کیوں نہ ہو جب کہ تصوف دراصل اسلام کی وہ تعلیم ہے جس میں تصفیہ قلب اور تزکیہ باطن کی تلقین ہوتی ہے۔ مسعود بک کی فارسی شاعری میں یہ صوفیانہ رنگ بدرجۂ اتم موجود ہے۔

تصوف میں شریعت کے ساتھ ساتھ طریقت کی بات بھی کہی گئی ہے بالکل اسی طرح جس طرح ظاہر کے ساتھ باطن۔ دراصل شریعت وطریقت ایک دوسرے کا تتمہ ہیں اور شریعت پر کامل طور پر عمل پیرا ہونے والے صاحب طریقت، حامل شریعت اور پاک باطن 'صوفی' ہیں۔ مسعود بک کا شمار ایسے ہی پاک باطن اہل طریقت میں ہوتا ہے۔ ان کی شاعری کا معتدبہ حصہ صوفیانہ وعارفانہ خیالات وتعلیمات کا حامل ہے۔

'شیر خان' معروف بہ 'مسعود بک' بخارا کے ایک گاؤں 'باق' کے رہنے والے تھے۔ کچھ تذکرہ نگاروں کا خیال ہے کہ وہ مانڈو گجرات کے رہنے والے تھے لیکن صاحب مخزن الغرایب کے مطابق وہ بخارا کے شاہی خاندان کے ایک فرد تھے اور جب وہ شاہی رعب وداب اور ظاہری نمایش سے اکتا گئے تو درویشوں کا بھیس اختیار کرلیا''۔ خلیق احمد نظامی کا کہنا ہے کہ یہ تبدیلی دہلی میں آئی اور وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر فقیروں کے گروہ کے ساتھ گھومنے پھرنے لگے تھے۔

یہ واقعہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن وہ اپنے بیٹے کے ساتھ کہیں جارہے تھے تو انہوں نے اپنے سامنے ایک درویش کو "ھذا ربی" کا ورد کرتے ہوئے دیکھا۔ وہ ہر قدم پر سجدہ کرتا تھا (اللھم انی اعوذبك من ان اشرك بك شیئاً) مسعود بک پر اس کا گہرا اثر پڑا اور وہ درویشی کے قائل ہو گئے اور اس کے بعد انہوں نے نصیر الدین چراغ دہلی کے حلقہ ارادت میں بیٹھنا شروع کر دیا۔ ساتھ ہی شیخ رکن الدین کی شاگردی بھی اختیار کی اور ریاضت ومجاہدہ میں مشغول ہو گئے۔ ان کی اندرونی پاکیزگی نے ان کی زندگی کو یکسر بدل کر رکھ دیا۔

مسعود بک تصوف کے میدان میں ایک نئی شخصیت بن کر ابھرے اور چشتیہ سلسلہ میں گرم ترین مجذوبوں میں شمار کئے جانے لگے۔

مولف اخبار الاخیار ان کے بارے میں اسطرح لکھتے ہیں :

"در سلسلہ چشتیہ ہیچ کس اسرار حقیقت فاش نگفتہ ومستی نکردہ کہ او کردہ"۔۔۔(ص:۶۴)

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شرعی اور کٹر علما نے یہ بات برداشت نہ کی اور فتویٰ دے کر مسعود بک کو قتل کرنے کا حکم صادر کر دیا، محمد بولاق نے لکھا ہے :

"علماء روزگار را باوی نفاق تمام بود چنانچہ بفتویٰ ایشاں مثل حسین منصور بقتل آمد"۔۔۔(ص:۲۱۸)

مسعود بک کا قتل غالباً ۸۰۰ھ/۱۳۸۷ء میں ہوا اور ان کے معتقدین نے بہت تلاش اور جستجو کے بعد ان کے جسم کے مختلف اعضاء دریائے جمنا سے کیلوکھری کے پاس سے ڈھونڈھ نکالے اور ان کو خواجہ بختیار کاکی کے مزار کے قریب مہرولی میں دفن کر دیا جیسا کہ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں :

"قبر او در مقبرہ پیر اوست قریب مقام خواجہ قطب الدین در لاد وسرائی بسیار مجردانہ وغریبانہ خفتہ است"۔۔۔(ص:۶۴)

اگرچہ کچھ مصنفوں کی آرا ہے کہ مسعود بک کی شہرت فیروز شاہ کے دربار سے وابستہ ہونے کی وجہ سے تھی لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ دراصل مسعود بک اپنے گرم اور وحدۃ الوجودی خیالات کی بنا پر مشہور ہوئے اور ان کا نثری وشعری مجموعہ ان کے ان افکار کی نشاندہی کرتا ہے۔

مسعود بک کا شمار ہندوستان میں فارسی کے عظیم صوفی شعرا میں ہوتا ہے۔ مسعود وحدۃ الوجود کے معتقد تھے ان کا تعلق شاہی خاندان سے تھا۔ مصنف 'مبلغ الرجال' نے ان کو فیروز شاہ تغلق کا بھانجہ لکھا ہے :

"مسعود بک خواہرزادہ سلطان الشہید فیروز شاہ بن سالار رجب"۔۔۔(رسالہ مبلغ الرجال مخطوطہ، خواجہ کلان عبداللہ، یونیورسٹی کلیکشن نمبر ۱۹۱، ۱۰۶۶ھ، ص:۴۶)

مسعود بک جب تک صوفیائے کرام سے منسلک نہیں ہوئے تھے تب تک بڑی شاہانہ زندگی گزارتے رہے اور جب

محی الدین عربی کے فلسفہ وحدۃ الوجود سے متاثر ہوئے تو خلعت وشاہی لباس چھوڑ دیا۔ترک دنیا کر کے گوشہ نشین ہو گئے اور سلسلۂ چشتیہ کے مشہور صوفی بزرگ شیخ رکن الدین بن شہاب الدین کے ہاتھ پر بیعت کی اور شیخ کی شان میں باقاعدہ ایک نظم لکھی۔

مسعود بک نے جب راہ طریقت میں قدم بڑھایا تو پھر پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔دنیا کے تمام عیش وآرام کو ترک کر دیا حتیٰ کہ اپنی بیوی کو بھی طلاق دے دی۔دنیا سے متنفر اور دنیاداری سے کنارہ کش ہو کر گوشہ نشین ہو گئے اور مجرد زندگی گزاری۔مسعود بک نے دنیا اور دنیاداری کو اس طرح چھوڑ دیا تھا جیسے دنیا کوئی بدبودار چیز ہو۔انہوں نے دنیا کو جیفہ یعنی بدبودار کہا :

دنیا ہمہ جیفست وسگان طالب اویند ❁ جیفہ بسگ انداز وگرنی زسگانی

مسعود بک وحدۃ الوجود کے فلسفے پر یقین رکھتے تھے۔اس فلسفے کے ماننے والے کچھ ایسے صوفیا بھی گزرے ہیں جنہوں نے شریعت کے خلاف باتیں کیں جس کی وجہ سے امت گمراہ ہو سکتی تھی اور جس سے فتنہ انگیزی کا ڈر تھا۔اس لئے حکمران وعلما دونوں طبقے ایسے صوفیا کے خلاف رہے ہیں۔ان کی زبان بند کرنے کے لئے سخت سزائیں بھی دی ہیں حتیٰ کہ موت کی سزا بھی دی۔ایسے ہی صوفیوں میں سے مسعود بک بھی تھے اور ان کو بھی موت کی سزا دی گئی۔

وحدۃ الوجود کو اختیار کرنے کے بعد مسعود بک نے اس فلسفہ میں سرشار ہو کر اس طرح اسرار ورموز بیان کئے کہ سلسلۂ چشتیہ میں اس سے پہلے کسی بھی صوفی شاعر نے نہیں کئے۔شیخ عبدالحق لکھتے ہیں :

''مرید شیخ رکن الدین بن شہاب الدین امام شد،بغایت حالت سکر داشت،وی از مستان بادہ وحدت وخم شکنان خم خانہ حقیقت است۔سخن مستانہ می گوید،در سلسلۂ چشتیان ہیچ کسی این چنین اسرار حقیقت رافاش نہ گفتہ''۔(اخبارالاخیار،ص:۱۶۵)

مسعود بک سلسلہ چشتیہ کے بزرگ صوفیائے کرام سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے خاص کر اپنے پیر،منصور حلاج، بایزید بسطامی،ابوسعید ابی الخیر وغیرہ سے ان کو بہت عقیدت تھی۔

مسعود بک کی تصانیف میں تمہیدات عین القضات ہمدانی،تنزیہ العقائد،مرآۃ العارفین اور دیوان مسعود بک شامل ہیں۔ان میں سے اول الذکر ناپید ہے۔

(۱) مرآۃ العارفین :

جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ عارفوں کا آئینہ ہے۔مسعود بک نے اس میں تصوف سے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا اور عارف کے لئے تصوف کے جو مقامات ہیں اس پر سیر حاصل بحث کی ہے یہ کتاب چودہ عنوانات پر مشتمل ہے ان میں چند کتابِ خدا،خواہش،تجلی،توحید،روح،حسن،عظمت،تواجد،موسیقی اور روح کی آمدورفت وغیرہ کے متصوفانہ مسائل پر مشتمل ہے۔ان عنوانات کو مسعود بک نے اپنے صوفیانہ اشعار سے مزین کیا ہے اور قرآنی آیات سے بھی مستحکم کیا ہے،مسعود بک کا عقیدہ ہے کہ خدا کا نور وحسن دونوں ہی بے مثل ہیں اور ان تک رسائی ممکن نہیں۔یہ امکان اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب کہ وہ اپنے

دوست کی صفات حمیدہ سے سچا عشق کرے کیونکہ حسن ازلی تک پہونچنے کا زینہ عشق ہی ہے۔ وہ صوفی کو راہ عشق پر چلتے وقت احتیاط کی تاکید کرتے ہیں۔ وہ صوفیا وعرفا کو ناپاکی اور کینہ سے پاک رہنے کی تعلیم بھی دیتے ہیں۔ مسعود بک کے مطابق حسن ازلی کی درخشندگی اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتی جب تک کوئی اپنے دل کو آئینہ کی طرح صاف وشفاف نہ بنالے۔

اگر چہ یہ کتاب نثر میں ہے مگر جگہ جگہ مسعود کے اشعار نے اسے نظم ونثر کا مرقع بنادیا ہے۔ مرآۃ العارفین سے چند صوفیانہ اشعار حسب ذیل ہیں۔ مثلاً مسعود کے نزدیک عاشق حسن ازلی کا راز دار ہے اور اس لئے درمیان کی ہر چیز کو خیر باد کہہ دیتا ہے۔

روان ماچو محرم شد باسرار ❁ زبان لاف زان خاموش کردیم
مصلا رازدیم از دوش برخاک ❁ سبوی بادہ را بر دوش کردیم

مسعود روح کی حقیقت و ماہیت کی سچائی میں دل و جان سے اسیر ہوکر تمام چیزوں کو فراموش کرتے ہوئے مرآۃ العارفین میں اس طرح لکھتے ہیں :

برو ای مدّعی بروعدہ میباش ❁ کہ ماخود کار فردا دوش کردیم
شراب بی خودی در دل چکان شد ❁ خرد را مست جان مدہوش کردیم
جمال معنوی درصورت ماست ❁ چہ شد گر از دغا سر پوش کردیم
فراموشیست مارا ذکر مسعود ❁ سماع عشق تادر گوش کردیم

مسعود کے نزدیک عارف ایک درجہ پر پہنچ کر خود خدا بن جاتا ہے یہ ایسا موضوع ہے کہ جو عوام تو عوام بعض خواص کے ذہن سے بھی بالا ہے۔

عارف ومعروف بمعنی یکیست ❁ آنکہ خدا را بشنا سد خداست
نقش عدم راچہ شماری وجود ❁ آنکہ فنا راست پذیرد فناست
عالم صورت ہمہ درتست کرد ❁ درہمہ احوال محول بجاست
آئی ازین گردش صورت بدان ❁ تارسی آنجا کہ ثبوت وبقاست
چشم تو مسعود زصورت بہ بند ❁ زانکہ بقائی چون بمعنی بقاست

مسعود نے اس نثری کتاب میں اس بات پر زیادہ توجہ دی ہے کہ انسان مافوق البشر ہو جاتا ہے اگر وہ اپنے وجود کو اچھی طرح سمجھ لیتا ہے، روح کو پاکیزہ بنالیتا ہے اور اس جگہ پہنچ جاتا ہے جہاں سے وہ جدا ہوا تھا۔ ذیل کے اشعار مسعود کا شاہکار ہیں :

کجائید کجائید بیائید بیائید ❁ کہ خود طالب ومطلوب شمائید شمائید
دریغست دریغست درین خاک بمانید ❁ گہرہائی لطیفید ز دریائی صفائید
بدرید، بدرید حجاب حدثان را ❁ برآئید، ببینید کہ خورشید لقائید

دیوان مسعود بک :

مسعود بک کی متصوفانہ،غزلیات رباعیات کا مجموعہ ''نورالیقین'' کے نام سے معروف ہے۔ یہ دیوان کافی عرصہ پہلے شائع بھی ہوا تھا لیکن اب ناپید ہے۔

اس دیوان کے دو قلمی نسخے مولانا آزاد لائبریری ،مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور ایک نسخہ رضا لائبریری، رامپور میں موجود ہے۔

دیوان کا آغاز ایک تعارفی نظم سے کیا ہے جس میں غزلیات و رباعیات کی تعداد کی نشاندہی کی ہے۔غزلیات کی تعداد ۲۴۱ اور ۸۴ رباعیات ہیں۔حروف تہجی کی بنیاد پر ابواب مقرر کئے گئے ہیں جو کہ انتیس ہیں۔ ہر باب کے آغاز سے پہلے ایک تعارفی ردیفی شعر دیا گیا ہے جو کہ ایک بحر میں ہیں مثلاً 'الف' ردیف کی غزلیات کے تعارف میں لکھتے ہیں :

الف از داب قدیمست اشارت بکتاب ❁ باب اول بالف کردہ ام آغاز ازین

غزلیات کے بعد رباعیات شامل دیوان ہیں۔مسعود کا مکمل دیوان صوفیانہ اسرار و رموز ونکات میں رنگا ہوا اور فلسفہ وحدۃ الوجود کی نمائندگی کرتا نظر آتا ہے۔وہ حب خدا اور رسول سے سرشار ہیں۔انا الحق کا نعرہ لگا کر ہمہ اوست میں گم ہو جاتے ہیں، وہ نفس امارہ کو قتل کر کے صداقت حاصل کرتے ہیں اور پھر نور ازل کی دید کے قایل ہو جاتے ہیں۔حسن حقیقی کی دید سے سرشار اور اس کے وجود کی سرمستی میں مست ہو کر مسعود حسب ذیل اشعار کہنے کی جرأت کرتے ہیں :

ہر دم بگمان افتم یارب کہ منم با او ❁ کامیختہ ام از جان او با من و من با او
گشتہ است بسی جانہا از طرۂ او غارت ❁ بردہ است بسی دلہا از غمزۂ یغما او
ہر لحظہ کند جلوہ در دل بہر صورت ❁ ہر کس بہ تماشائی ما راست بتماشا او
مسعود ازین خلوت کن معذرتی جان را ❁ زیرا کہ بدل مارا کردست کنون جا او

باز این دل دیوانہ ام بانگ انا الحق میزند ❁ سر باز چون منصور دم از سر مطلق میزند
دیدی کہ از ہر قطرہ اش نقش انا الحق گردخود ❁ تا تو ندانی کین نفس عاشق بنا حق میزند
دارد سماع بی خودی در گوش سر او راز ازل ❁ دایم چو گردون در ہوا چرخ معلق میزند
با آنکہ از اسرار و عقلم ندارد آگہی ❁ اقرار می آرد بدو گم گشتہ صدق میزند

دل مست چون سنگ سیہ زد فاقہ آہن بدل ❁ نار تجلی تا کشد بر شکل چقمق میزند
ہر نکتہ مسعود بک از طرح راز است آئینی ❁ این عاقلان دانند کو قال مذلق میزند

مسعود اپنے کلام کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میرے کلام کو پڑھنے کے بعد وہ چرخ برین کی سیر کریں گے۔ان کا تمام وجود دریائے عشق ہے جس میں بے شمار لوگ ہاتھ پیر مارتے رہے ہیں :

رسیدم من بہ دریائی کہ موجش آدمی خوار است ❁ نہ کشتی اندر آن دریا نہ ملاحی عجب کار است
چون آتش جملہ خون دیدم بترسیدم از آن دریا ❁ بدل گفتم چہ می ترسی گذر باید کہ ناچار است
ندا از حق چنین آمد مگر از جان نمی ترسی ❁ ہزاران جان مشتاقان دریں دریا نگونسار است
اگر خواہی درین دریا یکی گوہر بدست آید ❁ ببر کشتی در آن دریا کہ آنجا کان انوار است
شریعت کشتی باید، طریقت باد بان او ❁ حقیقت بنگری دوری کہ راہِ فقر دشوار است
ایا مسعود بک چشتی سخن بر قدر مردان گوئی ❁ نہ یاری در جہان باشد زمانہ پرز اغیار است

ایک دوسری جگہ اپنے کلام کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میرا کلام دوسرے شعرا سے بالکل مختلف ہے کیونکہ اس کا مطالعہ کرنے کے بعد قاری کو خدا اور اس کی صفات کا جلوہ نظر آتا ہے :

این سواد یست کہ دیدہ دہد نور یقین ❁ گر کنی ورد بیابی ز بیاضش تمکین
ایں کلام شعرا نیست کلام قدسی است ❁ گر بخوانی کہ بخواہی گذر از دنیا و دین

مسعود بک کی شاعری کا خاصہ جذب وسوز وساز ہے۔صوفیا کے نزدیک سماع کی رسم بڑی اہمیت رکھتی ہے۔یہ رسم سلسلہ چشتیہ میں عام تھی۔چونکہ مسعود اس سلسلہ سے وابستہ تھے لہذا وہ بھی اس سے بچ نہ سکے اور اپنے کلام میں سماع کی الوہی کیفیت کو اسطرح بیان کرتے ہیں :

در رقص سرایند چو از غایت مستی ❁ از گردن دل رشتہ جان را گسلا نند
در وقت تواجد بجہند از ہمہ اوصاف ❁ وآن را کہ بخواہند ز کونین جہانند
دستک چو زنند از سر مستی بتواجد ❁ ہم از ازل و ہم ز ابد دست نشانند
با آنکہ بظاہر ہمہ درویش وفقیراند ❁ در ملک قناعت ہمہ شاہ دو جہانند
دیوانہ یار اند ز اغیار رمیدند ❁ بیگانہ ز خویش اند یگانہ شدگانند
سجادہ فروشند خرند از لب اومی ❁ اسلام دہند و ہمہ کفر ستانند
دایم بسماعند ہمہ وقت برقصند ❁ در عین عیانند وز اغیار نہانند

مسعود کے کلام کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک ایک شعر خواہ وہ غزل کا فرد ہو یا رباعیات کا حصہ، معرفت الٰہی کا ذریعہ اور رشد و ہدایت کا وسیلہ ہے۔ خدا اور رسول سے محبت کی دلیل کے ساتھ یہ شاعر عارف دنیا و مافیہا کی حقیقت کو سمجھتے ہوئے قلبی جذبات کو عرفانی اشعار کا جامہ پہناتا ہے۔ اسی سوز درونی و جذب کے ساتھ مسعود نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نعت کہی جو اتنی دلسوز و دلآویز تھی کہ آنے والے شعراء نے اس کی پیروی بھی کی ہے۔ اس کے چند اشعار حسب ذیل ہیں :

نور خدا است لوای محمد صلی اللہ علیہ وسلم ❁ ملک بقاست برای محمد صلی اللہ علیہ وسلم
ابوبکر و عمر صادق عادل عثمان و علی عالم فاضل ❁ شان اوتاد او قطب مکمل صلی اللہ علیہ وسلم

وحدۃ الوجود سے مستفیض ہونے کے لئے دیدہ بینا درکار ہے جو خدا کی کاریگری کو دیکھ سکے۔ یہ تب ہی ممکن ہے جب عشق کا پاک جذبہ قلب کو صاف کردے۔ مسعود کے حسب ذیل اشعار اسی وحدۃ الوجودی مسلک کی نمایندگی کرتے ہیں :

ماعاشق مسیتم خرابات ندانیم ❁ معشوق پرستیم بت لات ندانیم
زنار ببندیم و چہ بتخانہ بیائیم ❁ تسبیح چہ گوئیم کہ مناجات ندانیم
در ملک صفا عاشق و معشوق منم ❁ او بحر محیط آمد و مغروق منم
نظقم ہمہ تفسیر کلام اللہ است ❁ سیپارہ دلم گشت کہ صندوق منم

اور کبھی کبھی وہ خود ذات باری میں گم ہو کر اپنے منتہا کو پہنچ جاتے ہیں۔

رفت ز مسعود بک جملہ صفات بشر ❁ او کہ ہمہ ذات بود یا ز ہمہ ذات شد

اسلامی تصوف عشق و عمل کی تعلیم دیتا ہے۔ اسلام میں ترک دنیا ممنوع ہے۔ مسعود بک ایک صوفی ضرور ہیں مگر وہ ہمہ دم اپنی شاعری میں عشق صادق کی تلقین کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ دوست کا عشق اور جمال ہر لمحہ اسے بیقرار رکھتا ہے اور محبوب کی آمد عاشق کو بے خبر کر دیتی ہے :

در آمد بت مست در دیدہ یکسر ❁ دو عالم شدہ از جمالش منور
سر زلف را تاب دادہ ز مستی ❁ از آن تاب بی تاب کردہ مہ و خور
بہر رخ کہ کردم نظر باز دیدم ❁ کہ ہر ذرۂ بود خورشید انور
کلام او چنیں شیرین از آن است ❁ کہ سعدی نسبتی دارد بمسعود

مسعود بک شعوری یا غیر شعوری طور پر مولانا روم سے بھی متاثر معلوم ہوتے ہیں۔ عشق کی یہ سرمستی اور سوز و ساز انا الحق اور مستغرق دریا کے حسن کی کیفیت اس عہد میں مولانا کی غزلیات میں پائی جاتی ہیں اور اس کی جھلک مسعود بک کے کلام میں بھی ہے۔ بعض منفرد اشعار اور ابیات پر بالکل مولانا روم کی جھلک نظر آتی ہے :

بپرسید، بپرسید ز مسعود در دوست ❁ کجائید کجائید، بیائید، بیائید

ہم فردم و ہم زوجم و ہم محرم و ہم موجم ❁ ہم خسرو ہم فوجم، ہم بادہ و ہم جامم
ہم طفلم و ہم پیرم، ہم چاکرو ہم میرم ❁ جام تو بدست من لیکن چہ کنم خامم

مسعود بک کا تعلق سلسلۂ چشتیہ سے تھا اور انہیں حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی سے بہت عقیدت تھی چنانچہ چند حسب ذیل مدحیہ اشعار سے مسعود بک کی حضرت چراغ دہلی سے عقیدت کا بین ثبوت ملتا ہے :

این صورت جانست کہ در لوح ضمیر است ❁ یا آیت عشق است کہ در شان نصیر است
خط نیست مگر کاشف اسرار نہاں ست ❁ رونیست مگر نوردہ بدر منیر است
نی پری و نی آدمی و نی ملک است این ❁ در وہم نیاید کہ چہ بی مثل و نظیر است
وآن فتنہ چون ترکان کہ کشیدست کمانی ❁ از غمزہ نبودش و بہر گوشہ نصیر است
خاکی کہ صبا از سر کویش بر اند ❁ گویند ملایک مگر آن مشک عبیر است
مسعود بگو کیست در حسن بآفاق ❁ آن خسرو خوبان جہان بخش نصیر است

الغرض مسعود بک متخلص بہ مسعود کا کلام اس کے صوفی کامل ہونے کی دلیل ہے اور اپنے کلام کو پرنور بنانے میں مسعود نے فارسی شاعری کے آسمان کے مہ و نجوم سے اکتساب کیا ہے۔

مصادر و مراجع :

(۱) سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات۔
(۲) مخزن الغرائب۔
(۳) اخبار الاخیار۔
(۴) دیوان مسعود بک، نسخہ خطی، مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ۔
(۵) روضہ اقطاب، محمد بولاق، نسخہ خطی، مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ، سلیمان کلکشن نمبر: ۶۰۶۳۔
(۶) مرآۃ العارفین، نسخہ خطی، مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ، یونیورسٹی ضمیمہ: ۴۷، فارسیہ تصوف۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

طبیب حاذق
مولانا حکیم سید شاہ محمد شعیب رضویؒ نیر

● سید محمد نیر رضوی — سی ۳، رحمان اپارٹمنٹ، نیو پارس ٹولی، ڈورنڈا، رانچی (جھارکھنڈ)

صوبہ بہار میں صوفیائے کرام کی بستی پھلواری شریف وہ نادر و نایاب مردم خیز بستی ہے جہاں تصوف اور شاعری کے ساتھ ساتھ طبابت بھی نہایت پُر وقار طریقہ سے چلتی ہوئی نظر آتی ہے۔ غرض یہاں کے صوفیائے کرام اگر ایک جانب اپنے علم و فضل اور زہد و تقویٰ میں نابغۂ عصر تھے تو شاعری میں بھی درجہ کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔ کچھ صوفیائے کرام تو وہ ہیں جو بیک وقت پیر کامل بھی ہیں، کہنہ مشق شاعر بھی ہیں اور طبیب حاذق بھی ہیں۔ چنانچہ بستی پھلواری شریف میں اُن صوفیائے کرام کی ایک لمبی فہرست محفوظ ہے جو بیک وقت ان تمام خصوصیات سے مزین رہے ہیں۔ اس کہکشاں سے اگر چند مایہ ناز شخصیتوں کا ذکر کیا جائے تو اُن میں حضرت مولانا سید شاہ ابوالحسن فردؔ قادریؒ، حضرت مولانا سید شاہ محی الدین قادریؒ محیؔ اور مولانا حکیم سید شاہ محمد شعیب رضویؒ نیرؔ کا شمار بڑی اہمیت کا حامل نظر آتا ہے۔ حضرت ابوالحسن فردؔ، شیخ العالمین مولانا سید شاہ نعمت اللہ قادریؒ کے صاحبزادے اور تاج العارفین کے پوتے ہیں۔ آپ صاحب دیوان شاعر ہیں۔ آپ کے زیادہ تر کلام فارسی میں ہیں۔ آپ کی شاعری فصیح و بلیغ شاعری کی بہترین مثال ہے۔ چند اشعار ملاحظہ کیجئے :

در چشم طلبگار عیانیم عیانیم ❁ واز دیدۂ اغیار نہانیم نہانیم
گہ موج سرابیم گہے ہم چو حباب ❁ در بحر محیطیم روانیم روانیم
فارغ ز سر فکر جہانیم جہانیم ❁ از حلقہ بگوشان مغانیم مغانیم
اے فردؔ چہ نوریم کہ ہر ذرۂ عالم ❁ بینند و ندانند چہ سانیم چہ سانیم

حضرت ابوالحسن فردؒ نے طب کی تعلیم اپنے ماموں حکیم غلام جیلانیؒ سے حاصل کی۔ تیس سال تک مطب کیا۔ پیچیدہ

امراض میں بھی دست شفا تھے۔آپ نے معلومات طب کے حوالہ سے دوضخیم جلدوں میں ''شفاء الاسقام'' تحریر کی ہے۔اسی طرح حضرت مولانا سید شاہ محی الدین قادریؒ نہ صرف پیر کامل اور بہترین شاعر ہیں بلکہ فن طب میں ماہر اور ایک طبیب حاذق بھی تھے۔وہ فیاض المسلمین حضرت مولانا سید شاہ بدرالدین قادریؒ کے صاحبزادے تھے۔محی تخلص تھا۔اپنے والدؒ کے وصال کے بعد خانقاہ مجیبیہ کے سجادہ نشیں ہوئے۔آپ قادر الکلام شاعر ہیں۔زیادہ تر کلام فارسی میں موجود ہے۔ایک غزل ملاحظہ کیجئے جس سے آپ کی شاعرانہ عظمت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے :

از رخ بیفگن پردہ راائے ماہ رخسارتو خوش ❁ از ناز چشمت بازکن اے چشم بیمارتو خوش
سویم خرام نازکن بکشا لب شیریں سخن ❁ ائے طرز رفتارتو خوش انداز گفتارتو خوش
بازار حسن آراستی سودا بجا نہا خواستی ❁ ائے گرم بازارتو خوش از جاں خریدارتو خوش
بالین بیمار آمدی از دید خود بنو اختی ❁ ائے بخت بیمارتو خوش وے لطف دیدارتو خوش
ہر بند گیسوئے شما دل را کشد سوئے شما ❁ زیں زلف ہر تارتو خوش محی گرفتارتو خوش

حضرت مولانا سید شاہ محی الدین قادریؒ نے طب کی تعلیم حکیم مولانا وارث حسن منیری ابولعلائیؒ سے حاصل کی۔فن طب بالخصوص نسخہ نویسی اور تشخیص امراض میں بڑی مہارت تھی۔آپ خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کے سجادہ نشیں تھے۔لہٰذا مجاہدہ بھری زندگی اور دینی وقومی مشغولیت کی بنیاد پر آپ نے اپنا باضابطہ مطب قایم نہیں کیا مگر عوام الناس آپ کے طبی مشورہ سے مسلسل فیض یاب ہوتی رہی۔اسی فہرست میں مولانا حکیم سید شاہ محمد شعیب رضویؒ نیرؔ کا بھی شمار ہوتا ہے جو مولانا محمد محی الدین احمد رضویؒ کے صاحبزادے ہیں۔آپ نے محض سولہ سال کی عمر میں حکیم مولانا وارث حسن منیری ابوالعلائیؒ سے طب کی تعلیم حاصل کی اور باضابطہ اپنا مطب قایم کیا۔وہ نہ صرف ایک کامیاب طبیب تھے بلکہ ایک بہترین فن طب کے معلم بھی تھے۔آپ نے چیچک کے جملہ اقسام،اس کے اظہار کے اسباب وغیرہ پر پوری تحقیق کے ساتھ ایک رسالہ ''رسالہ جدری'' بھی تحریر کیا تھا۔

مولانا حکیم سید شاہ محمد شعیب رضویؒ نیرؔ کا نسبی تعلق صوبہ بہار میں حضرت شہاب الدین پیر جگجوتؒ کے نواسے حضرت مخدوم جہاں شرف الدین بہاریؒ کے خالہ زاد بھائی حضرت مخدوم تیم اللہ سفید بازؒ تک تیرہ واسطوں میں پہنچتا ہے، جو حضرت مخدوم آدم صوفیؒ کے پوتے تھے۔یہ خاندان گزشتہ تقریباً دوسو برس سے صوبہ بہار کی راجدھانی پٹنہ سے قریب ایک بستی پھلواری شریف میں مقیم ہے۔آپ کے اجداد عہد مغلیہ سے ایسٹ انڈیا کمپنی تک کی حکومت میں ہمیشہ مناصب جلیلہ پر فایز رہے۔علم وفضل،تعلیم وتعلم اور رشد وہدایت ان بزرگان کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔آپ کی ولادت ۱۳۰۱ھ میں پھلواری شریف میں ہوئی۔ابتدائی تعلیم اپنے والد مولانا سید محمد محی الدین احمد رضویؒ سے حاصل کی جو نہایت متقی اور دیندار تھے۔مولانا عبداللہ رامپوری، مہاجر مدینہ اور مولانا عبدالرحمٰن ناصری گنجی سے عربی درسیات معقولات ومنقولات کی تکمیل کی۔آپ کی تعلیم وتربیت پھلواری

میں ہی ہوئی۔آپ کے مشفق اساتذۂ کرام میں مولانا عبداللہ نقشبندی، مولانا ابوالخیر احمد مکّی محدثؒ، مولانا علی اکرم آروی، مولانا امام الدین پنجابی اور مولانا محمد انس پھلواروی کے نام نامی شامل ہیں۔مشہور حکیم وارث حسن منیری ابوالعلائی سے طب کی مکمل تعلیم حاصل کی۔آپ طبیب حاذق تھے۔چنانچہ لفظ 'حکیم' ہمیشہ کے لئے آپ کے نام کا جز بن گیا۔آپ فیاض المسلمین، پہلے امیر شریعت اور سجادہ نشیں خانقاہ مجیبیہ، پھلواری شریف حضرت مولانا سید شاہ بدرالدین قادریؒ سے بیعت تھے اس مناسبت سے 'قادری' لکھتے تھے۔آپ کی جزئیت حضرت سیدنا امام علی رضاؓ تک پہنچتی ہے۔اس لئے آپ کا خاندان 'رضوی' بھی لکھتا ہے۔ مدیر''معارف'' صاحب''اعیان وطن'' اور مصنف''غم پُرملال'' مولانا حکیم سید شاہ محمد شعیب رضویؒ نیرؔ کے معاصرین میں قاضی عبدالودود، حضرت فصیح الدین بلخی، پروفیسر حسن عسکری اور جناب اختر اورینوی جیسے مشہور ومعروف مورخین ومحققین کا نام نامی خصوصیت کے ساتھ شمار کیا جاتا ہے جنہوں نے آپ کی علمی وادبی حیثیت بالخصوص تحقیقی کاوشوں کو قابل احترام تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ مولانا حکیم سید شاہ محمد شعیب رضویؒ نیرؔ جو مدیر رسالہ معارف، پھلواری شریف، پٹنہ بھی تھے، اُن کی تصانیف وتالیفات بالخصوص''اعیان وطن''،''تجلیات انوار ذکر شیوخ بہار''،''تذکرہ شعرائے پھلواری'' اور''جلوہ حبیب'' حلقہ اہل ادب میں اس قدر معتبر تسلیم کی گئی ہیں کہ اہل تحقیق اِن کا استعمال نہایت ہی قابل استناد منابع ومواخذ کے طور پر کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ اختر اورینوی نے اپنی مشہور ومعروف کتاب''بہار میں اُردو زبان وادب کا ارتقا ۱۲۰۴ تا ۱۸۵۷ (دوسری طباعت)''میں مولانا حکیم سید شاہ محمد شعیب رضوی نیرؔ کی تالیفات وتصنیفات سے جا بجا مختلف مقامات (صفحہ ۱۵۷، صفحہ ۱۷۱، صفحہ ۱۸۲، صفحہ ۱۸۳، صفحہ ۲۰۸، صفحہ ۲۲۱، صفحہ ۲۲۴، صفحہ ۲۳۸ اور صفحہ ۳۳۵) پر استفادہ کیا ہے۔حضرت مولانا سید شاہ عون احمد قادریؒ نے محی الملۃ حضرت مولانا سید شاہ محی الدین قادریؒ محیؔ پر جب اپنی مستند کتاب''محی الملۃ والدین'' تحریر کی تو اُس کتاب میں بھی کئی مقامات پر مولانا حکیم سید شاہ محمد شعیب رضویؒ نیرؔ کا تذکرہ کیا ہے۔وہ کتاب کے دیباچہ ہی میں اس طرح رقمطراز ہیں :

''میرے معلومات کا بڑا ذریعہ جدّی مولانا حکیم سید محمد شعیب صاحب کی ہستی ہے۔(اللہ ان کو ہمارے استفادہ کے لئے بعافیت اور بخیریت رکھے) خاندانی روایات ومعلومات میں یہ ایک''انسائیکلو پیڈیا'' کی حیثیت رکھتے ہیں اور حضرت کے ساتھ اُن کا بڑا ہی خصوصی تعلق رہا ہے۔حضرت سے چند ہی سال چھوٹے ہیں اور فارسی کے کچھ اسباق حضرت سے پڑھے ہیں پھر فن طب کی تحصیل میں ان کے شریک درس تھے۔اور مشق سلوک میں بھی ان کی معیت رہی اس کے علاوہ ہر معاملہ میں ان کے حریم راز کے محرم رہے ہیں''۔۔۔(محی الملۃ والدین، ص:۵)

مولانا حکیم سید شاہ محمد شعیب رضویؒ نیرؔ ایک کہنہ مشق اور موزوں طبع شاعر بھی تھے۔آپ کا ذوق سخن نہایت شائستہ تھا۔ اُردو اور فارسی میں نہایت سنجیدہ اور شیریں کلام کہتے تھے۔آپ کا دیوان''جذبات نیر'' کے نام سے موجود ہے اور غیر مطبوعہ ہے۔ ایک غزل دیکھئے :

آہ کھینچی نکل گیا آنسو ۞ دل کو روکا مچل گیا آنسو
ضبط گریہ کی تاب دل میں کہاں ۞ لاکھ روکا نکل گیا آنسو
دل سے اُٹھا تو نوک مژگاں تک ۞ آکے دامن سے ڈھل گیا آنسو
ڈر تھا طوفان کا، خیریت گذری ۞ آپ ہی آپ ٹل گیا آنسو
خوں ٹپکتا ہے اشک کے بدلے ۞ روتے روتے بدل گیا آنسو

فارسی شاعری کا ایک نمونہ دیکھئے :

بگذشت عمرم در جستجویت ۞ تا کے بہ بینم اے ماہ رویت
ناخواندہ قرآں گشتم مسلماں ۞ عاشق شدم من نادیدہ رویت
دیوانۂ تو تا عمر گشتم ۞ این عہد بستم با زلف ومویت
از خاک کوئے تو عزوجاہم ۞ قربان جاں ہم در آرزویت
بر آستانت جاں داد آخر ۞ نیرؔ سگ تو رسوائے کویت

چنانچہ مولانا حکیم سید شاہ محمد شعیب رضوی ؒ نیرؔ ایک عظیم صوفی، شاعر اور ادیب کے ساتھ ساتھ ایک بالغ الاستعداد حکیم بھی تھے۔ آپ نہایت ذہین تھے۔ فن طب میں آپ کا سلسلہ تلمذ استاد فن حکیم علوی خان سے جا کر ملتا ہے جو اس طرح ہے :
''حکیم سید شاہ شعیب رضوی تلمیذ حکیم وارث حسن منیری تلمیذ حکیم ابراہیم حسین لکھنوی تلمیذ حکیم محمد یعقوب تلمیذ حکیم مرتعش تلمیذ حکیم علوی خان''۔ حکیم صاحب کے استاد اُن کے زمانہ شاگردی ہی میں اُنہیں معالجہ کے لئے دوسرے شہروں میں روانہ کیا کرتے تھے۔ آپ کو مفردات پر عبور حاصل تھا لہٰذا کسی خاص مرکب کے پابند نہیں تھے۔ راقم بے مایہ کے والد سید نسیم قادری ؒ (یعنی مولانا حکیم سید شاہ محمد شعیب رضوی ؒ نیرؔ کے منجھلے صاحبزادے) اس حقیر سے فرماتے تھے کہ اُن کے والد سے کوئی غریب و محتاج اپنی مجبوری کے عالم میں خود کفالت کی غرض سے گر نسخہ مانگتا تو آپ فوراً بسم اللہ کہتے اور وہیں قلم برداشتہ نسخہ لکھ کر دے دیتے۔ اقتصادی طور پر کمزور کچھ تجارت پیشہ حضرات کی بھی فریادسن لیا کرتے تھے۔ چنانچہ عبدالغنی میاں عطار دانا پوری کو دماغ کے لئے ایک نسخہ روغن مقوی عنایت کیا اور میر شجاعت حسین پھلواروی کو آنکھ کے سرمہ کا ایک نسخہ عنایت کیا تھا جس سے ان دونوں حضرات کو کافی نفع ہوا۔ اسی طرح نورانی شفا خانہ، بانکی پور، پٹنہ، اور دیگر کئی دواخانوں نے آپ سے نسخے لئے تھے جس کی تفصیلات نہیں معلوم ہے۔ آپ کی خصوصیت یہ تھی کہ اگر کسی کو کوئی نسخہ دے دیا تو اس کی نقل نہیں رکھتے تھے۔ آپ بہترین نبض شناس تھے۔ آپ کے بڑے صاحبزادے مولانا حکیم سید شاہ یوسف رضوی ؒ فرماتے ہیں کہ ایک بار وہ ایک مریضہ کو دیکھنے گئے جو سل (ٹی بی) کی مریضہ تھیں اور مایوس کن حالات سے گزر رہی تھیں۔ آپ نے نبض دیکھی، تسلی و تشفی دی اور باہر آگئے۔ باہر

آ کر مریضہ کے والد سے کہا کہ داہنا پھیپھڑا مکمل طور پر خراب ہوگیا ہے اور بائیں پھیپھڑے میں بھی کئی جگہ دھبے آچکے ہیں۔ مریضہ کے والد گھر کے اندر گئے اور ایکسرے رپورٹ لے کر آگئے اور کہنے لگے مجھے حیرت ہے کہ آپ نے نہایت واضح طریقہ سے وہی بات صرف نبض دیکھ کر کہہ دی جو اس ایکسرے رپورٹ میں درج ہے۔ کاش کہ پہلے ہی آپ سے رابطہ قایم کر لیتے تو نوبت یہاں تک نہیں پہنچتی! ایک بار پیر ومرشد فیاض المسلمین حضرت مولانا سید شاہ بدرالدین قادریؒ کی شفاعت پر قاضی فرزند احمد صاحب ساکن گیا کے صاحبزادے قاضی انوار احمد صاحب کی دماغی بیماری کا علاج شروع کیا جو اس وقت زنجیروں میں قید تھے۔ قاضی صاحب مدتوں علاج کراتے رہے۔ دعا اور تعویذ کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ اُنہوں نے اپنے صاحبزادے کے علاج معالجہ میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا مگر کوئی افاقہ نہیں تھا۔ حکیم صاحب نے علاج شروع کیا۔ بہت جلد افاقہ ہونے لگا۔ مریض کی زنجیر کھول دی گئی۔ باتوں میں ایک ربط پیدا ہونے لگا۔ قاضی صاحب کے اصرار پر آپ قاضی صاحب کے ساتھ اُن کے وطن گیا تشریف لے گئے۔ کچھ عرصہ قیام کے بعد مریض جب پوری طرح ٹھیک ہوگیا تب گیا میں قیام کو کئی وجوہات کی بنیاد پر نامناسب سمجھا ان وجوہات میں ایک وجہ یہ بھی تھی کہ انہیں اپنے پیر ومرشد کی جدائی ناقابل برداشت تھی۔ چنانچہ حکیم صاحب پھلواری شریف واپس آگئے۔

مولانا حکیم سید شاہ محمد شعیب رضویؒ نیرؔ اپنے پیر ومرشد، سجادہ نشیں خانقاہ مجیبیہ، پھلواری شریف، حضرت مولانا سید شاہ بدرالدین قادریؒ کے خاص مریدوں میں سے تھے اور اپنے پیر ومرشد سے بہت قریب تھے۔ اُن کے طبیب خاص بھی تھے۔ حضرت مولانا سید شاہ بدرالدین قادریؒ کی اہلیہ ثانیہ حکیم سید شاہ محمد شعیب رضویؒ نیرؔ ہی کی بہن، بی بی بنت الرسولؒ تھیں جن سے تین صاحبزادے حضرت مولانا سید شاہ قمر الدین قادریؒ (منجھلے سرکار)، حضرت مولانا سید شاہ نظام الدین قادریؒ (سنجھلے سرکار) اور حضرت مولانا حافظ سید شاہ شہاب الدین قادریؒ (چھوٹے سرکار) تھے۔ حکیم صاحب کے لئے اپنے پیر ومرشد سے رشتہ کی یہ معنویت بھی درجہ خاص اور اہم مرتبہ کی حامل ہے۔ خانقاہ مجیبیہ کے تئیں، آل شعیب نیرؔ کے قلب وجگر میں آج بھی خلوص ومحبت اور خدمت کا وہی حسین امتزاج پایا جاتا ہے۔ خدا اسے قایم رکھے۔ آمین! مولانا حکیم سید شاہ شعیب رضویؒ نیرؔ اپنے پیر ومرشد حضرت مولانا سید شاہ بدرالدین قادریؒ سے بے انتہا محبت کرتے تھے۔ جن کا وصال ستمبر ۱۹۲۴ء میں ہوا۔ اپنے پیر ومرشد کے وصال پر ''غم پُرملال'' تحریر کی جو پیر ومرشد سے والہانہ عشق کی عکاسی کرتی ہے۔ ''غم پُرملال'' یقیناً غم پُرملال میں ڈوبی ہوئی تصنیف ہے۔ یہ تخلیق دراصل حضرت مولانا سید شاہ بدرالدین قادریؒ کی سوانح حیات ہے جسے والہانہ انداز سے تحریر کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ حکیم صاحب اپنے پیر ومرشد سے کس طرح اور کتنے قریب تھے۔ اس ضمن میں ''غم پُرملال'' سے ایک اقتباس دیکھئے جو موت سے مخاطب ہے :

''ائے موت جب تیرے ہی بادتند نے کعبہ کی شمع بجھائی۔ مدینہ کی مشعل کو گل کیا۔ ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔

دنیائے اسلام میں رخنہ پڑگیا۔مگر تجھے اپنی کرتوتوں پر ندامت نہوئی۔تو ہمارا چمنستان پھلواری ترے دست برد سے کب بچ سکتا تھا۔آخرتو نے اس پر اپنا دست تظلم پھیر ہی دیا"۔۔۔(غم پر ملال،ص:۵)

حکیم صاحب نے فیاض المسلمینؒ کے وصال کے بعد ایک خوبصورت منقبت تحریر کی جس کے بارے میں قوی امکان ہے کہ یہ منقبت انہوں نے اپنے پیرومرشد کی شان اقدس میں تحریر کی ہے۔منقبت اس طرح ہے :

ساغر بکف جرعہ کش از دورمدام کیستم ۞ انداختہ سرزیرخم مدہوش جام کیستم
برسرسبوئے پرز مئے آلودہ تن از خاک رہ ۞ ازخویشتن بگزشتہ از شرب مدام کیستم
غلطاں بخاک میکدہ رقصاں بگرد جام جم ۞ چشم طلب سوئے مغاں درشوق جام کیستم
دلدادۂ روئے کیم آشفتۂ موئے کیم ۞ آوارۂ کوئے کیم رسوائے نام کیستم
تن گشت جملہ یک زباں ہرموزباں شد برتنم ۞ مشغول دل مصروف جاں دریادنام کیستم
از ذرہ گرچہ کمترم درمہر رویش نیرم ۞ خورشید ذرہ پرورم آخر غلام کیستم

اب یہی وہ وقت بھی تھا جب فیاض المسلمین حضرت مولانا سید شاہ بدرالدین قادریؒ کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا سید شاہ محی الدین قادریؒ کو سجادہ مجیبی پر جلوہ افروز ہونا تھا۔مگر حضرت کی طبیعت میں بڑی انکساری تھی۔اس لئے اس اہم ذمہ داری کے لئے تیار نہیں ہورہے تھے۔مولانا حکیم سید شاہ شعیب رضویؒ نیرؔ کی دامن مجیبی سے وابستگی اُسی شدومد کے ساتھ قایم تھی اورخانوادہ مجیبی بھی آپ کا بڑا احترام کرتا تھا۔چنانچہ اس اہم موقع پرمولانا سید شاہ عون احمد قادریؒ فرماتے ہیں :

"......مگر حضرت اپنے انکسار مزاج اور ہضم نفس کے باعث سجادگی جیسی اہم اور ذمہ دارانہ چیز کو اختیار کرنے کے لئے تیار نہ تھے اوراس جگہ کے لئے دوسرے کو منتخب کرنے کا ارادہ رکھتے تھے لیکن جدی مولوی حکیم سید محمد شعیب صاحب نے (جن کا تعلق حضرت اقدس علیہ الرحمۃ کی خلوت وجلوت سے یکساں رہا تھا) اس معاملہ میں آپ سے گفتگو کی اور کہا کہ سجادگی کے لئے حضرت اقدس آپ ہی کو منتخب فرماگئے ہیں۔آپ کا اس کو قبول نہ کرنا ان کے منشا اور مرضی کے خلاف ہوگا"۔

چنانچہ مسئلہ حل ہوا۔جانشینی عمل میں آئی اور حضرت مولانا سید شاہ محی الدین قادری خانقاہ مجیبیہ کے سجادہ نشیں منتخب کئے گئے۔حکیم سید محمد شعیب نیرؔ مسلسل آپؒ کے بھی ہمراہ رہے۔ہمیشہ طبی مشورہ بھی دیتے تھے۔حکیم صاحب ہی آپ کا یونانی علاج کرتے رہے۔مگر جب حضرت کی علالتیں بڑھنے لگیں تب ایلوپیتھک علاج بھی شروع ہوا۔اس طرح حضرت مولانا سید شاہ محی الدین قادریؒ جن معالجوں کے زیر علاج رہے اُن میں ڈاکٹر مسعود الحق صاحب،ڈاکٹر عبدالغفور صاحب اور مولانا حکیم سید شاہ شعیب رضویؒ نیرؔ کے نام کافی اہم ہیں۔مولانا سید شاہ عون احمد قادریؒ نے حضرت مولانا سید شاہ محی الدین قادریؒ کے آخری ایام اور وفات کے وقت کی کیفیت بیان کی ہے۔فرماتے ہیں کہ :

"......صبح کو حسب معمول نماز فجر سے فراغت کے بعد اپنے وظائف پورے کئے پھر اشراق پڑھی اور

دلائل الخیرات وغیرہ پڑھی۔اس کے بعد مولوی محبوب عالم صاحب نے سر میں تیل مالش کیااور آپ سو گئے تھوڑی دیر بعد بیدار ہوئے اور مولوی محبوب صاحب کو آواز دی۔وہ قریب آئے تو فرمایا''حکیم صاحب کو بلاؤ،تنفس میں تیزی معلوم ہوتی ہے''جدی مولوی حکیم سید محمد شعیب صاحب آئے اور دیکھ کر کہا کہ گائے کا گھی سینہ میں مالش کرلیا جائے اور بخار کی وجہ سے جو یونانی دوا استعمال میں تھی نسخہ لیکر اس میں کچھ اضافہ کیا''۔

آگے فرماتے ہیں کہ :

''.....مولوی محبوب عالم اور عمی سید لطف احمد صاحب سینہ میں گائے کا گھی مالش کر رہے تھے تکیہ سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے اتنے میں آنکھیں بند ہونے لگیں اور جسم سست پڑنے لگا اور آواز کم ہونے لگی۔جدی حکیم محمد شعیب صاحب نے نبض دیکھی اور کہا کہ کمزوری بڑھ رہی ہے''۔

بالآخر ۲۹ جمادی الاول ۱۳۶۶ھ کو حضرت مولانا سید شاہ محی الدین قادریؒ کا وصال ہوگیا۔مولانا حکیم سید شاہ شعیب رضویؒ نیرؔ جو بذات خود اب ضعیفی کا شکار ہو چکے تھے،اس نازک موقع پر اپنی وابستگی کس قدر ٹوٹ کر بیان کرتے ہیں کہ تمام وابستگان در دولت محبی کی طبیعت مکیف ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔آپ بھی وہ منقبت ملاحظہ کیجئے :

گر جلوہ دہد روئے تابان محی الدین ❁ نقد دل وجاں سازم قربان محی الدین
انوار جمال او از نور خدا روشن ❁ خوئے نبوی بنگر در شان محی الدین
خواہی کہ شوی بیخود از کیف مئے وحدت ❁ یک جرعہ کش از جام عرفان محی الدین
از بادیۂ غیبت با مشعلۂ عرفاں ❁ در عین شہود آمد ایمان محی الدین
از عہدۂ فرمانش بیروں نروم ہرگز ❁ عہدیست کہ بستم با پیمان محی الدین
نیرؔ بہ وفائے او سوگند کہ می باشم ❁ ہر لحظہ ز جان و دل خواہان محی الدین

طبیب حاذق مولانا حکیم سید شاہ محمد شعیب رضویؒ نیرؔ مسلسل صدمہ برداشت کر رہے تھے۔پھر گھر کے حالات میں بھی زبردست اُتار چڑھاؤ آرہا تھا۔یکبارگی آپ کی صحت گرنے لگی۔خرابی صحت کے باوجود کتب بینی اور مشغلۂ تحریر وتصنیف جاری رہا۔دراین اثناء حکیم عبدالخالق صاحب عیادت کے لئے تشریف لائے تو آپ نے دوران گفتگو فرمایا کہ''میں جارہا ہوں''پھر انتقال سے ایک ہفتہ قبل اپنی بڑی صاحبزادی (چھوٹے سرکار حافظ سید شاہ شہاب الدین قادریؒ کی اہلیہ) سے بھی یہی فرمایا کہ''میرا بلاوا آگیا ہے میں روانہ ہوتا ہوں'' ۲۹ ذی الحجہ ۱۳۷۳ھ کو بہت زیادہ طبیعت خراب ہوگئی۔مرض کی شدت میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔کمزوری بہت بڑھ گئی تھی مگر ہوش وحواس سلامت رہا۔زبان پر کلمہ،درود اور دیگر اوراد مسلسل جاری تھے۔بالآخر محرم کی پہلی شب ۱۳۷۳ھ تھی۔پوچھا کہ''فجر کی اذان ہوگئی؟''جواب دیا گیا کہ''ہوگئی''۔قبلہ رُخ آنکھ بند کرکے

لیٹ گئے اور لیٹتے ہی جان، جان آفرین کو سونپ دی! اللھم اغفر وارحم وانت خیر الراحمین!

از ذرہ گرچہ کمترم در مہر رویش نیرَم ❁ خورشید ذرہ پرورم آخر غلام کیستم

حواشی :

(۱) تاریخ اطبائے بہار، مؤلف: حکیم محمد اسرار الحق (حکیم محمد اسرار الحق: آپ آفتاب سپہر ولایت سجادہ نشیں خانقاہ مجیبیہ، پھلواری شریف، حضرت مولانا سید شاہ امان اللہ قادریؒ کے مرید تھے)۔

(۲) اعیان وطن، مؤلف: مولانا حکیم سید شاہ محمد شعیب رضویؒ نیرَ۔

(۳) غم پُر ملال، مؤلف: مولانا حکیم سید شاہ محمد شعیب رضویؒ نیر۔

(۴) محی الملۃ والدین (۱۲۹۶ھ ــــ ۱۳۶۶ھ)، مؤلف: مولانا سید شاہ عون احمد قادریؒ۔

(۵) نغمات الانس فی مجالس القدس، مؤلف: حضرت مولانا سید شاہ بلال احمد قادری مدظلہ العالی۔

(۶) سہ ماہی المجیب (خصوصی شمارہ: جنوری ــــ دسمبر ۲۰۱۳ء)، مدیر: ڈاکٹر سید شاہ فتح اللہ قادری مدظلہ العالی۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

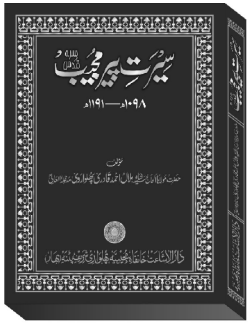

سیرتِ پیر مجیب سرہ قدس

(جدید ایڈیشن مع اضافہ)

مؤلف

حضرت مولانا الحاج شاہ بلال احمد قادری پھلواروی مدظلہ العالی

خانوادۂ مجیبیہ کے ایک نکتہ سنج، دقیقہ رس، ذی وقار عالم حضرت مولانا سید شاہ بلال احمد قادری مدظلہ العالی کی مایۂ ناز گرانقدر تالیف ہے، جس میں بانیٔ خانقاہ مجیبی حضرت تاج العارفین مخدوم شاہ مجیب اللہ قادری پھلواروی قدس سرہٗ کے علمی وعرفانی کمالات، دینی خدمات، ارشاد وہدایت، تربیت وتزکیۂ نفوس کے طریقے، خانقاہ مجیبی کی خصوصیات، حضرت کے کرامات وتصرفات، خلفاء ومجازین اور ہم عصر علماء ومشائخ کے حالات نہایت احسن پیرایے میں تحریر کئے گئے ہیں یہ کتاب خانقاہ کے بزرگوں کے حالات زندگی پر ریسرچ کرنے والوں کے لئے انمول تحفہ ہے، جو بہت ساری نادر ونایاب کتب ورسائل اور قلمی نسخہ جات کا جامع مجموعہ ہے۔ یہ کتاب ایک اہم تاریخی دستاویز کے ساتھ ساتھ واقعات وحالات کا ایک دلچسپ مرقع بھی ہے، جسے ترتیب دے کر مؤلف نے قارئین ومستفیدین پر احسان عظیم فرمایا ہے۔ پوری کتاب نو ابواب پر مشتمل ہے، جس کے ہر باب کے اندر کثیر معلومات اور ان گنت شواہد کے ذخائر موجود ہیں۔

یہ کتاب اپنے موضوع پر مستند تاریخ، جامع سوانح ہے، جو دیدہ زیب طباعت اور خوشنما سرورق سے مزین 480 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کی قیمت محض -/400 روپے ہے۔ دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ سے آج ہی حاصل کیجئے اور اپنی معلومات میں اضافہ کیجئے۔

رابطہ : +91-7250433562, 9006306098

نام کتاب : چہر آئینے — شاعر وناشر : قوس صدیقی
مبصر : ظفر حسنین
زیر اہتمام : دانش مرکز (رجسٹرڈ)، پھلواری شریف، پٹنہ
قیمت : ۳۰۰ روپے — سنہ اشاعت : ۲۰۱۷ء
ملنے کے پتے : (۱) دانش مرکز، محلہ مہتوانہ، پھلواری شریف، پٹنہ ۸۰۱۵۰۵
(۲) بک امپوریم، سبزی باغ، پٹنہ ۴
(۳) ناولٹی بکس، قلعہ گھاٹ، دربھنگہ
(۴) مکتبہ القاضی، مشتاق مارکٹ، پھلواری شریف، پٹنہ

قوس صدیقی اردو شاعری کا ایک معتبر، جانا پہچانا لیکن مخصوص نام ہے۔ مخصوص اس لئے کہ جب کسی شاعر کا نام لیا جاتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ اُردو کے فلاں انقلابی شاعر یا منفرد لب ولہجہ کے فلاں شاعر لیکن قوس صدیقی کا نام صرف اردو کے شاعر کے طور پر نہیں لیا جاتا بلکہ مشہور ومعروف ناقد اور ادیب جناب وہاب اشرفی کا عطا کردہ لقب ''نئی تخلیقات کے شاعر'' کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ نئی تخلیقات کی روش شاید پاکستان سے شروع ہوئی جہاں اوروں کے علاوہ انیس ناگی اور ظفر اقبال نے اس میدان میں خاصی شہرت یا ذلت پائی۔ بڑے مقبول ہوئے اور اتنے ہی معتوب بھی لیکن وہ سب سے بے نیاز، بدنام جو ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا، کے مصداق اس روش پر قائم رہے۔ ہندوستان میں یہ بیڑا قوس صدیقی نے اُٹھایا۔ ایک ٹیکسال قائم کیا جہاں سے نئے نئے الفاظ یا مرکبات ڈھلتے رہے۔ ہمیں نہیں معلوم ان الفاظ میں کوئی سکہ رائج الوقت بن بھی سکا یا نہیں لیکن ٹیکسال قائم ہے اور الفاظ ڈھل ڈھل کر ان کی شاعری کے مجموعے جیسے ''لفظاب'' اور پھر ''چہر آئینے'' کی شان بڑھا رہے ہیں۔ بہر حال قوس صدیقی اس میدان میں آگے بڑھے اور بڑھتے چلے جا رہے ہیں — بغیر پیچھے دیکھے، جہاں ان کے مداح ان کی شاعری کا لطف

اٹھانے کے لئے گرتے پڑتے، حیران و پریشان، نئے نئے تباہ کن، نامانوس، ثقیل اور بے معنی الفاظ اور عجیب وغریب خیالات سے ٹھوکریں کھاتے ــــ بس قوس کے نام پر ان کا پیچھا کر رہے ہیں ــــ اور کافی دور جانے کے بعد انہیں کیا ملتا ہے، کچھ خوبصورت اشعار، دل کو چھو لینے والی چند پیاری غزلیں لیکن زیادہ تر ناقابل فہم اور ناقابل ہضم شاعری ــــ اور انہیں پانے کے لئے ایسی ایسی راہوں سے گزرنا پڑتا ہے جو صاف وشفاف، چمکتی دمکتی تو ہیں لیکن جا بجا ٹھوکروں سے بھری پڑی ہیں ــــ یہ ٹھوکریں ہیں قوس صدیقی کے تخلیقات کردہ نئے نئے الفاظ یا ان کے مرکبات۔ آپ ان کی ٹھوکروں سے سنبھلیے گا تب تو آگے بڑھیگا۔ مثلاً آپ پڑھ رہے ہیں :

مصلحت کی اگنی پر سوکھ جاتی ہے حیات ❁ اک دیوانے کی چادر درد میں بھیگی ہوئی

لذت تلخویش کی تعریف بس اتنی سی قوسؔ ❁ گھر کے بٹوارے پر لوگوں کی ہنسی جیسی ہوئی

آپ نے ان اشعار کا مطلب سمجھا ہو یا نہیں، لیکن لفظ تلخویش پر آپ کو رفتار کو ٹھوکر لگی نا؟

قوس صاحب کہتے ہیں کہ ان کی شاعری مستقبل کی شاعری ہے، آج کے لوگ اسے نہیں سمجھ سکیں گے۔ مطلب یہ کہ آج کے لوگ ان کے خود ساختہ الفاظ سے ٹھوکر کھا کر آگے بڑھنے کی ہمت نہیں کر سکتے اس لئے کہ ان کی ساری امیدیں مستقبل سے وابستہ ہیں ــــ مستقبل، جہاں کے لوگ، جیسا کہ حالات بتا رہے ہیں، شاید اردو کے الف سے واقف نہ ہوں گے، لیکن قوس صاحب بھی جانتے ہیں کہ مایوسی کفر ہے اس لئے اس امید کے سہارے کہ کل کے لوگ ان کے گڑھے ہوئے الفاظ کو اپنالیں گے وہ بہت سنجیدگی سے اس پر عمل پیرا ہیں :

قوس تیری فکر ہے جذب صحافی آشنا ❁ مستند ٹھہریگا ایک دن تیرا فرمایا ہوا

بہر حال قوس صدیقی فی الوقت پھلواری شریف کے نمائندہ شاعر ہیں۔ اردو زبان وادب کے گیسو سنوارنے اور اس کی ترویج وترقی میں ان کا نمایاں کردار ہے۔ ذاتی طور پر بھی اور اپنی قائم کردہ دانش مرکز (رجسٹرڈ) کے ذریعہ بھی انہوں نے نہ معلوم کتنی ادبی نشستیں بلائی ہیں، بڑے بڑے مشاعرے منعقد کئے ہیں اور ادبی عوامی روابط کا بہت ہی خوبصورت ماحول بنایا ہے۔ بے شمار شاگرد بھی ان کے ہیں جو ان کے بنائے ہوئے کہکشاں کے چمکتے ستارے ہیں۔

قوس صدیقی نے ذاتی زندگی میں بہت غم اُٹھایا ہے۔ غالب نے تو اپنے جواں سال منہ بولے بیٹے عارف کی موت پر ایک مرثیہ لکھ کر اپنا غم ہلکا کر لیا ــــ لیکن واہ رے صبر وضبط کا پیکر ــــ قوس صدیقی اپنے تین جواں سال بھتیجے جو انہیں اپنے بیٹوں ہی کی طرح عزیز بلکہ عزیز تر تھے ــــ کی موت نے انہیں غمزدہ تو کیا لیکن وہ ادب کا دامن نہ چھوڑ سکے۔ وہ ادب سے منسلک ہیں اور خدا کرے ہمیشہ منسلک رہیں۔ ان کی استقامت نے انہیں غم ڈھونے کا سلیقہ سکھا دیا ہے ــــ وہ شعر کہہ رہے ہیں، غم ڈھو رہے ہیں، غم ڈھو رہے ہیں شعر کہہ رہے ہیں :

قوس کے اشعار میں جو غم ہے وہ ہے سچ کا غم ❁ کیا ضروری ہے کہ اس کو داد اہل فن ملے

ان کے عزیز واقرباء اور ان کے چاہنے والے ہی ان کے متاع لوح وقلم ہیں جن کے سہارے وہ سوچتے ہیں اور پھر انہیں رنگ و بو میں سجا کر سپرد قلم کر دیتے ہیں۔ یہ سب سہارے آہستہ آہستہ ان کا ساتھ چھوڑ رہے ہیں۔ ان زخموں کے علاوہ غم دوراں کا حساب الگ جو قریب سے انہیں جانتے ہیں وہ کہہ سکتے ہیں کہ شاید ان کو سکون کبھی میسر ہی نہیں ہوا پھر بھی بقول فیضؔ :

متاع لوح وقلم چھن گئی تو کیا غم ہے ❁ کہ خون غم میں ڈبوئی ہیں انگلیاں میں نے

بہر حال یہ ان کا کمال ہے کہ خون دل میں ڈبوئی انگلیوں سے اپنے انداز میں، اپنے خیالات اور ''اپنے الفاظ'' کے ساتھ علم وادب کی خدمت کر رہے ہیں۔ خدا کرے یہ سلسلہ تادیر قائم رہے۔

تین سو روپے کی یہ کتاب آپ کے علم میں، آپ کے ذخیرہ الفاظ میں اور آپ کے وسعت خیال میں اور بھی اضافہ و بلندی عطا کرے گی۔ اس لئے کتاب کو خرید کر ضرور مطالعہ کریں۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

نام کتاب : نقوش افکار تصنیف وناشر : وارث ریاضی

مبصر : ظفر حسنین

رابطہ : ''کاشانۂ ادب'' سکٹا (دیوراج)، پوسٹ بسوریا، وایا لوریا، مغربی چمپارن ۸۴۵۴۵۳

موبائل نمبر: 0091-8986132474

قیمت : ۴۰۰ روپے

ملنے کے پتے : (۱) ایجوکیشنل بک ہاؤس، یونیورسٹی مارکٹ، علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲

(۲) مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، یونیورسٹی مارکٹ، علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲

(۳) دار المصنفین، شبلی مارکٹ، پوسٹ بکس نمبر ۱۹، شبلی روڈ، اعظم گڑھ ۲۷۶۰۰۱

(۴) بک امپوریم، اردو بازار سبزی باغ، پٹنہ ۴

وارث ریاضی جن کا پورا نام محمد وارث حسن ہے — اردو زبان وادب یا اردو شاعری کی دنیا میں کوئی بہت جانا پہچانا نام نہیں ہے — لیکن اپنے علم وآگہی زبان وادب سے ان کی سچی عقیدت اور زندگی کا بیشتر حصہ زبان وادب کی آبیاری میں لگا دینے کے بعد وہ اس کے مستحق ہیں کہ انہیں جانا جائے پہچانا جائے۔ مشکل یہ ہے کہ اردو ادب پر مخصوص طبقہ کی اجارہ داری ہے

اور یہاں رسائی کے لئے ''رشوت'' کی ضرورت ہے — اور جو یہ رشوت نہ دے سکے وہ ادیب تو کیا طفل مکتب بھی نہیں رہ جاتا۔ وارث ریاضی صاحب شاید یہ رشوت نہ دے سکے جس کی وجہ سے وہ ہندو پاک کے تمام مؤقر رسالوں میں چھپنے اور مولانا ماہر القادری، جگن ناتھ آزاد، نشور واحدی جیسے عظیم المرتبت شعرائے کرام سے اپنے کلام پر ''اصلاح کی ضرورت نہیں'' کی سرٹیفکیٹ پانے کے باوجود ادبی حلقوں اور شاعری کی دنیا میں گمنام ہی رہے — اور یہ گمنامی انہیں بہت عزیز ہے۔ اس گم نامی کو سینہ سے لگائے وہ شعر وشاعری اور نثری ادبیات کو خون جگر سے سینچ رہے ہیں — یہی ان کا وتیرہ ہے، یہی ان کی فطرت۔

ان کا ایک شعری مجموعہ 'حرف آرزو' طبع ہو کر منظر عام پر آچکا ہے۔ 'نقوش افکار' مقالات کا مجموعہ ہے (جو ہمارے پیش نظر ہے) اس کے علاوہ 'نقوش آگہی' (مقالات کا دوسرا مجموعہ) 'پیام شوق' (مشاہیر کے خطوط) 'نقش آرزو' (مجموعہ کلام) زیر طبع ہے۔

زیر نظر مجموعہ نقوش افکار کو مصنف نے پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ تعلیم، اسلامیات، اقبالیات، شخصیات اور ادبیات۔ سارے ابواب کے تحت کل اٹھارہ مقالات ہیں جو ملک اور بیرون ملک اخبار و رسائل میں شائع ہو کر پذیرائی حاصل کر چکے ہیں۔ مصنف نے یہاں سبھوں کو اکٹھا کر کے کتابی شکل دے دی ہے۔

ہر عنوان کے تحت ان کے مقالے بڑے بیش قیمت اور دل چسپ ہیں جس سے ان کے وسیع مطالعہ اور گہرے مشاہدے کا پتہ چلتا ہے۔ جیسا کہ اسی کتاب میں 'حرفے چند' کے عنوان سے مولانا حافظ عمیر الصدیق ندوی مدیر معارف اعظم گڑھ نے لکھا ہے ''فکر ونظر کے یہ نقوش گرچہ کسی ایک راہ کے نہیں ہیں مگر صاف ظاہر ہے کہ مقصد منزل ایک ہی ہے اور وہ ہے علم وادب کے ذریعہ زندگی کی آراستگی۔ وارث صاحب کے کلام نے جن کو متاثر کیا ہے وہ ان کی نثری کاوشوں کو بھی یقیناً سراہیں گے۔ اسلوب کے پیچ وخم بلکہ تعقید، نامانوس الفاظ وتراکیب، مبہم رویہ اور معدوم مقصد سے پاک ان کی نثر میں دلکشی ہونی ہی چاہئے''۔ اپنے تمام مقالات میں انہوں نے یقینی طور پر اس دلکشی کا مظاہرہ کیا ہے۔ دانستہ ایسے موضوعات پر قلم اٹھایا ہے جو متنازع رہے ہیں اور پھر اس پر اپنے قلم کی رنگینی اور گہرے مطالعہ ومشاہدہ سے اپنے الفاظ میں روشنی ڈالی ہے۔ یہ موضوعات ہیں: حضرت نظام الدین اولیاءؒ اور سجدہ تحیت، اقبال اور احمدیت، ڈاکٹر اقبال کے چند محل نظر افکار ونظریات اور تصوف ائمہ مجتہدین اور علمائے اسلام کی نظر میں۔

اسلامیات کے باب میں انہوں نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اور سجدہ تحیت کے عنوان سے اس متنازع مسئلہ پر بڑی اچھی باتیں کہی ہیں جو ہر مکتبہ فکر والوں کے لئے قابل غور ہے اور پھر فتح مکہ غیر مسلم دانشوروں کی نگاہ میں کے زیر عنوان، تاریخ کے اس ناقابل فراموش کارنامہ کو غیر مسلم دانشوروں کی آرا سے سجا کر اور بھی قابل توجہ بنا دیا ہے۔ اقبالیات کے عنوان کے تحت انہوں نے علامہ اقبال اور احمدیت کے موضوع پر علامہ اقبال کا بہت اچھا دفاع کیا ہے اور یہ لکھ کر کہ احمدیت کی طرف اپنے ابتدائی رجحان سے توبہ کر کے انہوں نے اسلامیات کا ایسا مطالعہ کیا کہ وہ مفکر اسلام اور شاعر اسلام بن گئے۔

اور آخر میں شخصیات ـــ شخصیات بڑا کٹھن موضوع ہوتا ہے۔ دنیا کی کسی بھی چیز پر آپ اپنی قیمتی آرا پیش کر کے اپنے دامن کو داغدار ہونے سے بچا سکتے ہیں ـــ لیکن زندہ یا مردہ انسانوں پر تبصرہ کر کے معاذ اللہ خود کو مصیبت میں پھنسا دینا ہے۔ یا تو آپ اس فرد کی اتنی تعریف کریں کہ لغت کے تمام الفاظ پناہ مانگنے لگیں یا پھر برائیوں کا انبار لگا دیں ـــ شاید کوئی اعتراض نہ کرے لیکن جب آپ بیچ کی راہ اختیار کریں گے ـــ آدھا ادھر آدھا اُدھر تو لوگ آپ کا جینا دوبھر کر دیں گے۔ شخصیات کے عنوان سے وارث ریاضی صاحب نے معتدل راہ اختیار کرتے ہوئے جن لوگوں پر قلم اٹھایا ہے وہ دینی اور ادبی دنیا کی نامور ہستیاں ہیں۔ جیسے مولانا حسرت موہانی، پروفیسر مختار الدین آرزو، پروفیسر نذیر احمد، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا مجاہد الاسلام قاسمی۔ وارث ریاضی صاحب نے ان حضرات کا تذکرہ کرتے وقت ذاتی روابط کا خاص خیال رکھا ہے اور تاریخ میں ہمیشہ کے لئے اپنا نام محفوظ کرنے والی ان شخصیات پر کھل کر لیکن محتاط انداز میں تبصرہ کیا ہے جس سے ان حضرات سے ان کی گہری عقیدت کا اندازہ ہوتا ہے۔

بہر حال اس کتاب نے ان کے شائع شدہ مقالات کی اہمیت اور بڑھا دی ہے اب علم و ادب کے شائقین اس سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کر سکتے ہیں۔ ۴۰۰/روپے کی یہ کتاب آپ کے لئے بڑی مفید ثابت ہوگی۔

* * * * * * * * * *

شرح اشتہار

سہ ماہی مجلہ المجیب

میں اشتہارات دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیں

ملٹی کلر اشتہار

پشت سرورق	مکمل صفحہ	8,000/-	نصف صفحہ	4,000/-	چوتھائی صفحہ	2,000/-
اندرون سرورق	مکمل صفحہ	7,000/-	نصف صفحہ	3,500/-	چوتھائی صفحہ	1,750/-

سادہ اشتہار

اندرون مجلہ	مکمل صفحہ	5,000/-	نصف صفحہ	2,500/-	چوتھائی صفحہ	1,250/-

خواہش مند حضرات اپنے اشتہارات کے ساتھ پیشگی رقم کا چیک یا ڈرافٹ ادارہ کو پہلی فرصت میں مرحمت فرمائیں تاکہ ان کے آرڈر کو حتمی شکل دی جاسکے۔ چیک یا ڈرافٹ کے ذریعہ رقم ارسال کرتے وقت صرف "DARUL ESHA'AT" تحریر کریں۔

مدینے کی شام وسحر

● وارث ریاضی — کاشانۂ ادب، سکٹا دیوراج، بسوریا، مغربی چمپارن

حسیں، جاں فزا، خوب تر اللہ اللہ ❁ مدینے کی شام وسحر اللہ اللہ
خوشا جلوۂ آفتابِ نبوت!! ❁ کہ ضو ریز ہیں بحر و بر اللہ اللہ
یہیں سے ملی روشنی آگہی کی ❁ دبستانِ وحی و خبر اللہ اللہ
نگاہوں میں جگ مگ ہے حسنِ مدینہ ❁ محبت ہوئی معتبر اللہ اللہ
چھٹکتی ہوئی کیف زا چاندنی میں ❁ دمکتے ہوئے بام و در اللہ اللہ
وہ ذکر وعبادت کے دل کش مناظر ❁ بہ وقت سحر خاص کر اللہ اللہ
وہ سرگوشیاں خالق دو جہاں سے ❁ مناجاتِ شب تا سحر اللہ اللہ
جدھر دیکھیے زائرین حرم ہیں ❁ چمن در چمن جلوہ گر اللہ اللہ
فرشتے کی صورت نظر آرہے ہیں ❁ غلامانِ خیر البشرؐ اللہ اللہ
وہ طیبہ کی راہیں، مدینے کی گلیاں ❁ سراپائے خلدِ نظر اللہ اللہ
جہاں سے گزرتے ہیں خورشید وانجم ❁ وہ ہے آپؐ کی رہ گزر اللہ اللہ
وہ کیسے ہیں جلوے؟ تعاقب میں جن کے ❁ ازل سے ہیں شمس و قمر اللہ اللہ
الٰہی! در مصطفیٰ تک تو پہنچا ❁ دعاؤں کا حسنِ اثر اللہ اللہ

معطر ہے مشکِ رسالت سے وارثؔ
خیابانِ فکر و نظر اللہ اللہ

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

نذرانۂ نعت پاک بحضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

● عارفؔ گیاوی — امام جامع مسجد ساچھی، جمشید پور (جھارکھنڈ)

غم لیکے چلے ہیں، نہ الم لیکے چلے ہیں ❁ سرکارؐ کا ہم نقشِ قدم لیکے چلے ہیں
اللہ کا احسان و کرم لیکے چلے ہیں ❁ عشق شہہ کونین کو ہم لیکے چلے ہیں
ہم مرتبہ وجاہ وحشم لیکے چلے ہیں ❁ دامانِ رسالت بہ قسم لیکے چلے ہیں
شک لیکے چلے ہیں، نہ وہم لیکے چلے ہیں ❁ ایمان ویقیں دین پہ ہم لیکے چلے ہیں
کفار، جفا ظلم و ستم لیکے چلے ہیں ❁ محبوبؐ خدا لطف و کرم لیکے چلے ہیں
پہنچے گا وہی قافلہ منزل پہ یقیناً ❁ جو قافلہ سالارِ حرم لیکے چلے ہیں
وہ محسنؐ اعظم ہیں، وہی رحمت عالم ❁ اُمت کے لئے دیدۂ نم لیکے چلے ہیں
جو حکم خدا کا ہے اور فرمان نبی کا ❁ ہم اُس سے ذرا بیش نہ کم لیکے چلے ہیں
محشر میں جو مل جائے محمدؐ کی شفاعت ❁ ہم خلد بریں، باغ اِرم لیکے چلے ہیں
یہ فضل خدا، فیض رسولِ عربی ہے ❁ ہم حق وصداقت کا عَلم لیکے چلے ہیں
صد شکر! کہ توصیف رسول عربی میں ❁ ہم حُسن بیاں، زورِ قلم لیکے چلے ہیں

عارفؔ نہیں ڈوبے گا سفینہ یہ بھنور میں
کشتی کو مری شاہؐ اُمم لیکے چلے ہیں

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

غزل

● جمال احمد جمالؔ — کراچی، پاکستان

اپنی آنکھوں میں غم درد سجا کر دیکھو ❁ دل کی تنہائی میں تنہا کبھی آ کر دیکھو
جن کے دل ٹوٹ چکے ہوں کبھی اُن کے دل میں ❁ نغمۂ زیست سنانے کو ہی جا کر دیکھو
کشمکش آخر دم ختم کہاں ہوتی ہے ❁ حال دل بجھتے چراغوں کے بتا کر دیکھو
کسی بے نور اُجالے کو سحر کیسے کہیں ❁ زندگی ہارنے والوں کو بچا کر دیکھو
دوری اظہار محبت سے سمٹ جاتی ہے ❁ دشمنوں کو بھی کبھی دوست بنا کر دیکھو
زندگی حسن کی رعنائی کا حاصل تو نہیں ❁ غم کی دہلیز پہ خوشیاں بھی لٹا کر دیکھو
آزمائش کی گھڑی لب پہ فغاں ساز تو ہے ❁ اس کے اُٹھتے ہوئے شعلوں کو بجھا کر دیکھو
مشغلہ کار تعلق کا جدا ہے سب سے ❁ جس سے روٹھے ہو اُسے پاس بلا کر دیکھو

دل کی تنہائی میں فرقت تو ستاتی ہوگی
وصل کے وعدے جمالؔ اپنے نبھا کر دیکھو

❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄

کوائف وحالات

● ادارہ

راز و نیاز بلبل و گل ہم سے پوچھئے ❁ نرگس کی آنکھ بن کے رہے ہیں چمن میں ہم

کچھ اپنی..کچھ دوسروں کی

دین بچاؤ دیش بچاؤ کانفرنس اور اس کے اثرات :

موجودہ حکومت اور برسر اقتدار جماعت نے جس طرح ملک کے مسلمانوں کے خلاف سازشیں رچیں اور ہر محاذ پر انہیں پریشان کیا اس کا ایک فائدہ ضرور ہوا کہ برسوں سے خواب غفلت میں پڑی قوم جاگ اُٹھی اور اُسے احساس ہوا کہ اب ان کی نیند انہیں ابدی نیند سلا دے گی — اس لئے وہ جاگی اور ہر ظلم وستم کے آگے سینہ سپر ہوگئی۔ ضرورت تھی رہنمائی کی — اور یہ ضرورت اُسے مسلم پرسنل لابورڈ کی شکل میں مل گئی۔

تین طلاق کا غیر ضروری مسئلہ اُٹھا کر ملک میں زبردست تشہیر کی گئی اور مسلمان عورتوں پر ہو رہے ''ظلم'' کے خاتمہ کے لئے ایک انتہائی لچر، غیر آئینی اور نا قابل عمل قانون تک ایوان زیریں سے پاس کرا لیا گیا — یہ اندوہناک سانحہ تھا جس کے خلاف مسلم پرسنل لابورڈ پوری طرح میدان عمل میں آگیا، چونکہ معاملہ عورتوں کا تھا اس لئے پورے ملک سے مسلم عورتیں پوری طرح حجاب میں رہ کر بھی سراپا احتجاج بن گئیں۔ لاکھوں لاکھ عورتوں کا احتجاجی مارچ پورے ملک میں نکلتا رہا جو اتنا مؤثر رہا کہ ملک کی ساری حزب اختلاف اس قانون کے خلاف متحد ہوگئی۔ نتیجہ کے طور پر حکومت اسے ایوان بالا میں پیش کرنے کی ہمت نہ کرسکی۔ یہ مسلم پرسنل لابورڈ اور مسلمان عورتوں کی زبردست کامیابی تھی۔

دوسرا بڑا قدم پٹنہ کے تاریخی گاندھی میدان میں مسلمانوں، ہم خیال ہندوؤں اور دلتوں کا ایک عظیم اجتماع دین بچاؤ دیش بچاؤ کے نام سے منعقد کرنا تھا۔ اس اجتماع میں پانچ لاکھ سے زیادہ لوگ صوبہ اور بیرون صوبہ سے آئے اور انتہائی

منظم طریقہ سے بغیر کسی شور وغل، بغیر نعرے بازی اور بغیر کسی ہنگامہ کے شریک رہے۔امیر شریعت حضرت مولانا سید ولی رحمانی مدظلہ کی پکار اور امارت شرعیہ کی رہنمائی میں جسے خانقاہ مجیبیہ، دوسری تمام مسلم تنظیموں اور ہر مکتبہ فکر کے لوگوں کی حمایت حاصل تھی، یہ جلسہ انتہائی کامیاب رہا اور ہر سطح پر اس کی ستائش کی گئی۔اس عظیم اجتماع کا مثبت اثر ہونا ہی ہے— آج یا کل حکومت کو اس کی تجاویز پر غور کرنا ہی ہوگا۔

زیب سجادہ خانقاہ مجیبیہ حضرت مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ نے اس کانفرنس میں اپنا پیغام بھیجا جسے کھچا کھچ بھرے میدان میں پڑھ کر سنایا گیا، اپنے پیغام میں حضور مدظلہ نے ملک کے بگڑتے حالات اور حکومت کی عدم توجہی پر لوگوں کو متنبہ کیا— اور ظلم وتشدد کے خلاف متحد ہو کر سینہ سپر ہو جانے کی اپیل کی۔جناب حضور مدظلہ کا پیغام حضرت امیر شریعت کی تائید میں بلند ہونے والی سب سے مضبوط آواز تھی جو پورے ملک میں گونجی۔

سانحۂ ارتحال حضرت مولانا حکیم شاہ محمد عماد الدین قادری رحمۃ اللہ علیہ :

۱۸؍جمادی الاخریٰ ۱۴۳۹ھ مطابق ۷؍مارچ ۲۰۱۸ء ڈھائی ماہ قبل خانقاہ مجیبیہ کی بزرگ شخصیت حضرت مولانا حکیم شاہ عماد الدین قادری نے رحلت فرمائی۔ان کی رحلت سے خانوادۂ مجیبی اور حلقۂ اخوان طریق سوگوار ہوا۔

حضرت دو سال سے علیل تھے، کمزوری اور ضعف پیری کی بناء پر گھر سے باہر نکلنا بھی مشکل ہو گیا تھا، گھر کے اندر بھی چند قدم بہ مشکل چل پاتے تھے، رفتہ رفتہ کمزوری غالب آتی گئی، چند ماہ سے ذی فراش تھے اور گفتگو بھی بہت کم کر دی تھی، وفات سے چند روز قبل طبیعت زیادہ بگڑی تو پانی کی ڈرپ لگائی گئی اور آکسیجن مشین کی بھی ضرورت پیش آئی، بروقت تدبیر سے حالت سنبھل گئی لیکن جمادی الاخریٰ کی ۱۸؍تاریخ کو صبح سے تنفس تیز ہو گیا اور سانس کی آمد ورفت میں دشواری ہونے لگی پانی دیا جاتا تو وہ حلق سے فرو نہیں کر پاتے اور کھانسی ہونے لگتی، علاج ومعالجہ کی صورت بھی اس حالت میں کارگر نہ ہوئی، نماز مغرب کے بعد زمزم پلایا گیا جو آسانی کے ساتھ فرو ہو گیا۔

بالآخر ۹؍بجے شب میں یعنی ۱۸؍اور ۱۹؍کی درمیانی شب میں پیام اجل آ گیا اور آپ نے جان جاں آفریں کے سپرد کر دی— انا للہ وانا الیہ راجعون۔دوسرے دن بعد نماز ظہر نماز جنازہ حضرت زیب سجادہ مولانا شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ نے پڑھائی، حضرت فرد قدس سرہٗ کے چابوترۂ مزار کے دکھن جانب احاطے میں تدفین عمل میں آئی۔

حضرت مولانا حکیم شاہ عماد الدین علیہ الرحمۃ اس وقت خاندان مجیبی میں سب سے معمر بزرگ تھے، حضرت محی الملۃ والدین مولانا شاہ محمد محی الدین قادری قدس سرہٗ کے مرید ومجاز اور اپنے والد ماجد کے تربیت یافتہ تھے، وفات کے وقت آپ کی عمر ۹۲؍سال تھی، اسلاف کی ایک نشانی باقی رہ گئی تھی، افسوس ع

اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

آپ امیر شریعت ثالث حضرت قمر طلعت مولانا شاہ محمد قمر الدین قادری قدس سرہٗ کے خلف وحید تھے، آپ کی اہلیہ چندسال قبل رحلت کر چکی ہیں، آپ کے پس ماندگان میں آپ سے چھوٹی آپ کی دو بہنیں ہیں اور آپ کے اکلوتے فرزند شاہ محمد عمید الدین قادری صاحب اور ان کے بچے ہیں، اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی عمریں دراز فرمائے، ادارہ المجیب ان حضرات کی خدمت میں تعزیت پیش کرتا ہے۔

المجیب کا اگلا شمارہ حضرت حکیم شاہ عماد الدین صاحب کے احوال میں خصوصی شمارہ ہوگا۔

حضرت مولانا شاہ شرف الحسن صاحب قادری مجیبی کو صدمہ :

یہ خبر بھی بڑے افسوس کی ہے کہ حضرت مولانا شاہ شرف الحسن قادری مجیبی مدظلہ کے جواں سال صاحبزادے محمد سیف الحسن نے ۵؍جمادی الثانی ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۲؍فروری ۲۰۱۸ءکو داغ مفارقت دی۔ مرحوم کی عمر وفات کے وقت ۴۳؍سال تھی۔ وہ ایک عرصہ سے بیمار تھے، ان کی بیماری نے ان کو ذہنی اور جسمانی طور پر بہت کمزور کر دیا تھا، اس سے ان کی تعلیم بھی سخت متاثر ہوئی۔ مرحوم سیف الحسن نیک و صالح جوان تھے، صورت و شکل میں خوب روئی اور کشش تھی، شروع کے تعلیمی چند سال ندوہ میں بھی گزارے تھے، پھر اسکول کی تعلیم مکمل کی، ادھر کچھ عرصہ سے گھر میں ہی رہتے تھے اور ہر طرح کے مشغلہ موقوف کئے ہوئے تھے، مرحوم کو بیعت حضرت مولانا شاہ رضوان اللہ قادری قدس سرہٗ سے تھی۔

یہ حادثہ سخت ہوا والدین کے لئے تو اور بھی جاں گسل ہے، اللہ تعالیٰ ان کے والدین کو صبر جمیل اور اس حادثے پر اجر جزیل عطا فرمائے، سیف الحسن مرحوم حضرت مولانا شاہ قمر الدین قادری امیر شریعت ثالث کے نواسے اور حضرت مولانا حافظ شہاب الدین قادری رحمہما کے پوتے تھے، اللہ مرحوم کی مغفرت فرمائے — آمین۔

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

توجہ طلب

سہ ماہی مجلہ ’’المجیب‘‘ میں شائع ہونے والے مضامین میں حسب ضرورت تلخیص اور الفاظ و تراکیب کی تصحیح کرنی پڑتی ہے۔

اہل قلم حضرات کی خدمت میں مؤدبانہ گزارش ہے کہ وہ اِسے گوارہ فرمائیں۔ بصورت دیگر ہماری معذرت قبول فرمائیں — (ادارہ)

دارالعلوم مُجیبیہ خانقاہ پھلواری شریف پٹنہ (بہار)

DARUL ULOOM MOJIBIA KHANQUAH

Phulwari Sharif, Patna-801505, Bihar (INDIA) Mob.: +91-9572860252, 7717792508

دارالعلوم مجیبیہ، پھلواری شریف کے اکابر بزرگوں اور اولیاء اللہ کی یادگار اور ہندوستان کی قدیم درسگاہ ہے۔ اس کی علمی خدمات تین صدیوں پر پھیلی ہوئی ہے۔ یہ دارالعلوم اپنے سن قیام ۱۱۲۵ھ سے لے کر آج تک تواتر و تسلسل کے ساتھ علوم اسلامی کی ترویج و اشاعت میں لگا ہوا ہے اور الحمدللہ کسی دور میں تعلیم و تدریس کا سلسلہ موقوف نہیں ہوا۔ ابتدائی فارسی درجات سے لے کر عربی کے آخری درجات، دورۂ حدیث تک یہاں تعلیم دی جاتی ہے — اور قرآن کریم کے حفظ و قرأت کی تعلیم معیاری طریقے پر ہوتی ہے۔ بچوں کے لئے اردو، ناظرۂ قرآن اور عصری تعلیم کا بھی انتظام ہے۔ تمام بیرونی طلبہ کے لئے قیام و طعام، کتابیں اور دیگر سہولیات کا اہتمام دارالعلوم مجیبیہ کی طرف سے مفت کیا جاتا ہے۔

اسلئے اہل خیر حضرات سے دردمندانہ اپیل ہے کہ صدقات، زکوٰۃ، عطیات اور دیگر مواقع پر دارالعلوم مجیبیہ کو فراموش نہ کریں۔ مالی امداد پہنچا کر عنداللہ ماجور و مثاب ہوں۔ یہ قدیم درس گاہ آپ کے تعاون کی مستحق ہے۔

چیک یا ڈرافٹ پر صرف "DARUL ULOOM MOJIBIA" لکھیں

ISSN 2320-8600 The ALMOJIB Quarterly
Vol.No. :58
April, May & June 2018
Sl.No. : 02
The only most widely circulated Urdu Quarterly of Bihar
Darul Esha'at Khanquah Mujeebia, Phulwari Sharif, Patna - 801505 Bihar (INDIA)
Ph. No. (0612) 2555572, Telefax : 2555305, Mob. No. +91-9006306098, E-mail : almujeebquarterly@gmail.com

المجیب کا خصوصی شمارہ
بیاد نمونۂ سلف

حضرت مولانا حکیم سید شاہ محمد عماد الدین قادری رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت مسلمانان بہار خصوصاً اخوان سلسلۂ مجیبی کے لئے مغتنم شخصیت تھی جن کا وصال پرملال ملت اسلامیہ کا عظیم خسارہ ہے، ہم مسلمانوں پر ان کے بے شمار احسانات ہیں، خاص کر ادارہ المجیب ان کا نہایت احسان مند ہے جس کا تقاضہ ہے کہ ان کے وصال کے بعد ان کی بارگاہ میں چند مضامین ومقالات بطور خراج عقیدت پیش کئے جائیں۔

لہٰذا ادارہ المجیب کا عزم محکم ہے کہ اس سال کا اگلا شمارہ حضرت مولانا حکیم سید شاہ محمد عماد الدین قادری علیہ الرحمۃ والرضوان پر خصوصی نمبر ہوگا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

Published by **Mohd. Minhajuddin Mujeebi** on behalf of Darul Esha'at Khanquah Mujeebia,
Editor : Dr. Shah Fatahullah Quadri, Printed at Taj Offset Press, Daryapur, Patna-800004
and Published at Darul Esha'at Khanquah Mujeebia, Phulwari Sharif, Patna-801505, Bihar (INDIA)